ثقافت کا اسلامی تصوّر

نائب صوبیدار لطیف اللہ۔ ملٹری چھاؤنی کوہاٹ

تعارف

جو قوم اپنے آپ کو بھلا دیتی ہے زمانہ اُسے بھلا دیتا ہے اور قوم کی خود فراموشی اس کی موت ہوتی ہے۔ قوم درخت کی طرح ایک نامیاتی وجود ہے جس کے برگ وبار مستقبل میں پوشیدہ اور تنا حال میں موجود ہوتا ہے اور جڑیں ماضی میں پیوست ہوتی ہیں لہٰذا جو قوم اپنے ماضی کو بھلا دیتی ہے اُس کی بیخ و بن نشوونما کے فقدان کے سبب سوکھ کر مر جاتی ہے اسی طرح اگر قوم اپنے مستقبل سے صرفِ نظر کر لیتی ہے تو وہ برگ و بار سے محروم رہ جاتی ہے اور حال کی فراموشی زمانے کے لکڑہاروں کو اس کی قطع بُرید کی دعوت دیتی ہے۔

اسلام مادی اور روحانی ہر لحاظ سے ایک عالمگیر تحریکِ خیر و فلاح ہے اس لیے مسلمان عالمگیر ملت ہیں۔ فرمانِ خداوندی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ [1]

تم لوگ اچھی جماعت ہو جو کہ لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔ تم لوگ بھلے کاموں کو بتلاتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو۔

ایک دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

---

[1] سورۃ آلِ عمران۔ ۱۱۰

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط[له]

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلایا کرے اور نیک کام کرنے کو کہا کرے اور بُرے کاموں سے روکا کرے۔

اس تحریک کی بدولت مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو برس تک اقوامِ عالم کی قیادت کی۔ انھوں نے علم و حکمت کے گم شدہ خزینوں کا سراغ لگایا اور اقوامِ عالم کو ان سے روشناس کرایا اور انھیں علم و ادب سکھایا۔ علاوہ ازیں ان میں جمالیاتی ذوق پیدا کیا۔ انھیں حرّیت و اخوت، مساوات و تکریمِ انسانی اور حُسنِ اخلاق و حُسنِ ثقافت کی اہمیت کا احساس و شعور دلایا لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ انھوں نے انھیں ان کے حقیقی معبود سے روشناس کرایا اور سینکڑوں باطل معبودوں سے نجات دلائی۔ اقوامِ عالم شرک و صنم پرستی کی وجہ سے شرفِ انسانیت سے گر چکی تھیں مسلمانوں نے ان میں توحید کا شعور بیدار کیا۔

اسلام کے تصورِ وحدتِ الوہیت و ربوبیت کی قوت سے مسلمانوں نے دیگر ادیان اور ثقافتوں پر غلبہ حاصل کر لیا ان کی سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی فتوحات نے ان میں مال و دولت اور قوت و سطوت کی طلب و جستجو پیدا کر دی جس میں امتدادِ وقت کے ساتھ جذبۂ تکاثر بھی شامل ہو گیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی معاشرے میں اکتناز و احتکار کی وبا پھیل گئی اور معاشی نظام میں جاگیرداری اور سرمایہ داری کو ناقابلِ اصلاح بیماری کے طور پر قبول کر لیا گیا۔ انجام کار اسلام کے معاشی نظام نے سرمایہ دارانہ نوعیت اختیار کر لی اور ایسی فکر مُسلم فقاہت کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہی کہ اسلامی معاشرہ میں اکتناز و احتکار حتیٰ کہ سُودی تجارت و صنعت حرام و ناجائز نہیں بلکہ ناگزیر معاشی ضروریات میں سے ہیں اس باطل نظریے نے بتدریج ایمان بالباطل کی صورت اختیار کر لی اور مسلمانوں کی فکری و عملی زندگی میں اس طرح رچ بس گیا کہ اس کی حُرمت کا شعور ماند پڑ گیا۔ چنانچہ جس سُود کو اسلام نے بدترین قسم کا گناہِ کبیرہ اور جرمِ قبیح قرار دیا تھا سرمایہ دارانہ نظام کے تقاضوں کے سبب مسلمانوں کی معاشی زندگی میں ناگزیر بُرائی کے طور پر داخل ہو گیا۔ جاگیرداری اور

له سورۃ آلِ عمران: ۱۰۴

سرمایہ داری نظام کے مفاسد کے سبب اسلامی معاشرے میں اخوت و مساوات عملاً ختم ہوگئی اور سرمایہ و محنت کی بنا پر طبقات پیدا ہوگئے۔ اس کا نتیجہ تضادات اور طبقاتی کشمکش کی صورت میں نکلا جس نے اسلامی ثقافت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا اور اس میں منکرات کے لیے دروازے کھل گئے۔

اسلامی ثقافت کا احیا نہ صرف ممکن بلکہ ناگزیر ہے کیونکہ انسان آفتابِ حقیقت کی جان آفرین روشنی و حرارت کو اپنی مصنوعی روشنی و حرارت میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔ انسان آخر انسان ہے اپنی فطرت کے تقاضوں سے کب تک غافل، حق سے کب تک گریزاں اور باطل سے کب تک مانوس رہ سکتا ہے؟ اسے لامحالہ ایک دن اپنے دینِ فطرت کو قبول کرنا ہوگا جو اسلام ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہی ہوگا جس کا نتیجہ اسلامی ثقافت ہے اور اس پر خدا کی زندہ کتاب شاہد ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ [۱]

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو بُرا ہی لگے۔

اگر ہمیں بحیثیت ملتِ اسلامیہ زندہ رہنا ہے تو ہمیں اسلامی ثقافت کو دوبارہ زندہ کرنا ہوگا اور ایسا کرنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہمیں واضح طور سے معلوم ہو کہ اسلامی ثقافت کیا ہے؟ اس کے عناصرِ ترکیبی کون سے ہیں؟ اس کی تخلیق کیسے اور کہاں ہوئی کس نے کی اور اس کی غرض و غایت کیا ہے اس نے کس طرح قوتوں کو اپنا ہمنوا بنایا اور اقوامِ عالم کی قیادت کی۔ یہ تمام متعلقہ سوالات اس مقالے میں زیرِ بحث لائے جائیں گے۔

ثقافت کا مفہوم

انگریزی کا لفظ کلچر (CULTURE) عربی کے لفظ ثقافت کا مترادف ہے۔ ثَقُفَ، ثَقِفَ اور ثَقَافَۃٌ کے معنی ہیں

---

[۱] سورہ الصف۔ ۹

زیرکی، دانائی اور کسی کام کے کرنے میں عقل مندی اور مہارت۔ ثَقِفَ، ثِقفَ، ثَقُفَ اور ثَقِیفٌ زیرک، ذہین اور حاذق شخص کو کہتے ہیں[۱] ثقّف کے معنی سیدھا کرنا، مہذب بنانا، تعلیم دینا اور الثقاف نیزوں کو سیدھا کرنے والا[۲]

امام راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: ثقافت کا مادہ (ث ق ف) ہے الثقف کے معنی کسی چیز کے پالینے اور کسی کام کے کرنے میں حذاقت و مہارت کے ہیں۔ ثَقِفْتُ کَذَا کے معنی ہیں کہ میں نے دقتِ نظر سے کسی چیز کو تاڑ لیا پھر یہی لفظ گرفت اور پانے میں استعمال کیا جانے لگا۔ قرآنِ حکیم میں ہے۔

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ (البقرہ: ۲:۱۹۱)

ان کو جہاں پاؤ قتل کرو۔

سورۃ انفال میں ہے:

فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ (۸: ۵۷)

اگر تم انھیں لڑائی میں پاؤ۔

راغب علی بیروتی اپنے رسالہ الثقافۃ میں لکھتے ہیں:

الثقافة إ هل هي إلا اصلاح النفس الصحيح الكامل بحيث يكون صاحبها مرآة الكمال والفضائل.... اصلاح الفاسد وتقويم المعوج[۴]

ثقافت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ نفس کی صحیح اور کامل اصلاح ہے اس طرح کہ مثقف آدمی کی ذات کمال و فضائل کا آئینہ ہو۔۔۔ فاسد کی اصلاح اور ٹیڑھے

---

[۱] المنجد، بذیل مادہ، طبع بیروت

[۲] ایضاً

[۳] مفرداتِ راغب، بذیل مادہ

[۴] راغب القبانی البیروتی: الثقافۃ ص ۱۹، مکتبہ اھلیۃ بیروت۔

کو سیدھا کرنا ثقافت ہے۔
مشہور لغت دان علامہ زمخشری اپنی کتاب اساس البلاغۃ میں لکھتا ہے کہ مجازاً آداب سکھانے اور مہذب بنانے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ هَلْ تَهَذَّبْتُ وَ تَثَقَّفْتُ اِلّا عَلٰی یَدِكَ ۔ یعنی میں نے تجھ ہی سے ادب اور تہذیب سیکھی۔
انگریزی لفظ کلچر کی تعریف انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں یوں ہے:

"To bacon the world is indebted for the term, as well as for the philosophy of culture while of itself the notion culture may be broad enough to express all forms of spiritual in man - intellectual, religious, ethical. It is best understood intensively as humanity's effort to assert its inner and independent being" 1 ~~p73~~

یعنی دنیا اس لفظ کلچر اور اس کے فلسفے کے معاملے میں بیکن کی رہین منت ہے... کلچر کا مفہوم اتنا وسیع ہو سکتا ہے کہ انسانی زندگی کے مختلف مظاہر اور متنوع صورتوں ... ذہنی، مذہبی اور اخلاقی سب پر حاوی ہو۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانیت نے جہاں کہیں اپنے داخلی اور نفسیاتی پہلوؤں کو اور اپنے ارادہ و اختیار کی گہرائیوں کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے وہی کلچر ہے۔

ٹی۔ایس۔ایلیٹ ( ) کلچر کو اس طرح بیان کرتے ہیں: ثقافت آداب کی شائستگی کا نام ہے یعنی مدنیت اور انسانیت[۲]۔ اس کی مزید وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں ثقافت سے میری اولین مراد وہ ہے جسے ماہرین لسانیات بیان کرتے ہیں یعنی ایک خاص مقام پر رہنے والے مخصوص افراد کا طرز حیات ہے[۳]

۱ے انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس بحوالہ مقالات، مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ص ۲۴۸-۲۴۹

۲ے T.S. Elliot, Notes towards the definition of culture, p.13

۳ے T.S. Elliot, Notes towards the definition of culture, p.120

میتھو آرنلڈ اپنی کتاب ((Culture and Anarchy)) میں اسے یوں پیش کرتا ہے:
کلچر انسان کو کامل بنانے کی بے لوث سعی ہے کلچر کمال کی تحصیل ہے"[1] وہ مختلف تعریفوں پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ انھیں خوبصورت الفاظ تو کہا جا سکتا ہے لیکن یہ کلچر کے وسیع مفہوم کو ٹھیک ادا نہیں کر سکتے۔ اُس نے مانٹیسکو ( ) کے الفاظ "ایک ہوش مند انسان کو ہوش مند بنانا" اور (B. WILSON) کے الفاظ "عقلِ سلیم اور رضاء الٰہی کے فروغ کے لیے سعی کرنا" کو بہترین مقولے قرار دیا ہے مگر اس کے نزدیک یہ کلچر کی صحیح تعریف نہیں وہ کلچر کو مذہب سے وسیع تر قرار دیتا ہے۔ اسی کتاب کا مقدمہ نگار خصوصی کلچر کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے "یہ کلچر آدمیوں کی عام زندگی سے پھوٹتا ہے اس کلچر کا مطلب انسانی روح کی، معمولی زمین کی دُرستی یا اسے قابلِ کاشت بنانا ہے"[2]

محسن مہدی نے ((Ibn Khaldun's Philosophy of History)) میں کلچر سے متعلق اسی قسم کے خیالات ظاہر کیے ہیں: ثقافت نہ تو صلاحیت واستعداد کا نام ہے اور نہ ان خواہشات کا جو آدمی کی ذات کے اندر موجود ہیں بلکہ صحیح طور پر یہ معاشرتی ادارت اور فنی تخلیقات کی عادی اور رسمی صورت کا نام ہے"[3]

جہاں تک لفظ کلچر کا تعلق ہے اس کا مفہوم پوری طرح متعین نہیں ہو سکا۔ مختلف لوگوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کی تعریف کی ہے جو ایک دوسرے سے مناسبت بھی رکھتی ہیں اور مغایرت بھی۔ قلیپ بیگ بی ( ) نے اپنی کتاب کلچر اینڈ ہسٹری ( ) میں Concept of Culture کے عنوان سے اس نقطہ پر مفصل بحث کی ہے اس کا کہنا ہے کہ اس لفظ کا استعمال سب سے پہلے فرانسیسی مصنفین کے ہاں پیدا ہوا۔ ان کے نزدیک ذہنی تربیت وتہذیب کا نام کلچر تھا۔ جلد ہی اچھے آداب، آرٹ، سائنس اور تعلیم

---

[1] میتھو آرنلڈ (ترجمہ): ثقافت وانتشار، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ص ۱۶۱

[2] ایضاً ص ۷۲

[3] Ibn Khaldun's Philosophy of History, p.181

وغیرہ بھی اس میں شامل ہو گئے ۔ کلچر کی اصطلاح کو میتھو آرنلڈ نے اپنی کتاب (
) میں استعمال کیا ۔ مزید لکھتے ہیں کہ اس وقت سے لے کر اب تک یہ لفظ مبہم رہا ہے جس کی کئی تعریفیں کی گئی ہیں [۱]

فاضل مصنف کے نزدیک اس کی تعریف ایسی ہونی چاہیے جو انسانی زندگی پر محیط ہو مثلاً مذہب، اقتدار، آرٹ، سائنس، ٹیکنالوجی، تعلیم، زبان، رسم و رواج وغیرہ بلکہ ماہرین انسانیت کو نظریات، علم عقیدہ، نمونہ (NORM)، اقتدار اور ایسی ہی دوسری چیزوں کو بھی شامل کرتے ہیں۔ کلچر ان کی مختلف تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ فلپ باگ بی (
) کی تعریف نسبتاً بہتر ہے ۔ وہ کلچر کی تعریفات پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے :
آیئے اب آپ اس پر اتفاق کر لیں کہ کلچر جس طرح فکر و احساس کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے اسی طرح طرزِ عمل و کردار کے تمام پہلوؤں کو بھی شامل ہے [۲]

مصنف موصوف نے معاشرت، نفسیات اور تمدن کو سامنے رکھتے ہوئے کلچر کی بہت جامع تعریف کی ہے کہتے ہیں : "ثقافت معاشرے کے افراد کے داخلی اور بادی طرزِ عمل کی باقاعدگیوں کا نام ہے اس میں وہ باقاعدگیاں بھی شامل ہیں جو صاف طور پر موروثی بنیاد رکھتی ہیں" [۳]
گستاف کلائم (
) کے نزدیک رسوم و روایات اکتسابی طریق کار، امن و جنگ کے دنوں میں شخصی اور اجتماعی زندگی، مذہب، سائنس اور فنون کا ایک ایسا مجموعہ جو ماضی کا ورثہ ہو اور مستقبل کے لیے تجربہ بھی [۴]

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں : یہ جرمن کے لفظ KULTUR سے ماخوذ ہے جس میں جوتنے، بونے اور اگانے کا استعارہ پایا جاتا ہے مگر جو کچھ جوتا جاتا ہے وہ زمین نہیں انفرادی اور اجتماعی ذہن ہے جو کچھ بویا جاتا ہے وہ بیج نہیں تصورات ہیں اور جو کچھ اگایا جاتا ہے وہ اناج

---

[۱] Philip Bagby, Culture and History, p.73

[۲] " P. 180

[۳] " P. 80

[۴] بینی ڈکٹ بحوالہ سید قائم محمود ' قدیم تہذیب اور جدید انسان '، شیش محل کتاب گھر لاہور ص ۱۷

کی فصل نہیں بلکہ نئے کردار کا نمونہ ہے جس کی بدولت کسی گروہ میں وحدت کا شعور راسخ ہوتا ہے۔[۱]
کلچر کے مفہوم کو واضح کرنے میں سب سے بڑی دقت یہ پیش آرہی ہے کہ ہر آدمی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ ایسی تعریف کرے کہ جس سے اس کی پوری تصویر سامنے آجائے پھر اس کے مادی وجود کو ثابت کرنے کیلیے ان ماہرین نے بڑی قلابازیاں کھائی ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر مقامات پر مظاہر تہذیب کو تہذیب کا نام دیا گیا ہے۔
ٹی۔ایس۔ایلیٹ ( ) نے اچھی بات کہی ہے کہ لوگ آرٹ، معاشرتی نظام، رسوم اور مذہب وغیرہ کو کلچر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں کلچر نہیں ہیں بلکہ وہ کچھ ہیں جن سے کلچر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے[۲]

کلچر اور تمدن

کلچر اور ثقافت کے لیے تہذیب کا لفظ بھی بولا جاتا ہے هَذَّبَ[۳] کے لغوی معنی شاخ تراشی کرنا۔ پاکیزہ کرنا، درست کرنا، اصلاح کرنا کلچر ( ) اسم ہے[۴] جس کے معنی زراعت، فلاحت، پرورش، تہذیب اور ترقی ہیں۔
عربی لغت میں تہذیب کے معنی ہیں کسی درخت مضمون یا مسودہ قانون وغیرہ کی کاٹ چھانٹ کرنا نقائص سے پاک کرنا، ٹیڑھ نکال دینا، کلچر اور تنقیح[۵]
قرآن مجید میں کلچر کا مترادف لفظ فلاح آیا ہے جیسا کہ قرآن مجید کے آغاز میں أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ کے الفاظ آئے ہیں فَلَحَ کے اصل معنی شق یعنی پھاڑنا ہیں۔ زمین۔ زمین پر ہل چلانے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اس لیے کسان کو عربی زبان میں فلّاح کہا جاتا ہے۔ کلچر کی تعریف میں یہ ابہام دراصل اس لیے پیدا ہوا کہ اسے چند اور الفاظ کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا مثلاً تمدن ( ) معاشرتی نظم ( ) اور مذہب ( ) ان تینوں میں

۱؎ بحوالہ سید قاسم محمود ص ۵۱۸
۲؎ Notes Towards The definition of culture P. 20
۳؎ المنجد (طبع بیروت) ص ۹۴۵
۴؎ OXFORD DICTIONARY
۵؎ القاموس العصری، بذیل مادہ

سے ہر ایک چونکہ بلاواسطہ انسانی ذات سے متعلق ہے اس لیے اکثر اوقات کلچر کے تعین میں تمدن، معاشرتی نظم یا مذہب کے اثرات و نتائج اور طریق کار کا اثر آجاتا ہے جس اصطلاح نے سب سے زیادہ ابہام پیدا کیا ہے وہ تمدن ہے کیونکہ عام طور پر ان دونوں کو مترادف معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے یعنی ایک کو بول کر دوسرا مراد لیا جاتا ہے اور ایک کے اثرات کو دوسرے کے نتائج قرار دیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے بڑی دقت اور دشواری پیش آتی ہے کہ وہ کیا حدود ہیں جن کے ذریعے کلچر اور سویلائزیشن کو علیحدہ کیا جائے تاکہ ہر ایک کی جامع و مانع تعریف ہو سکے۔ ٹی۔ ایس ایلیٹ (   ) نے اپنی کتاب کے آغاز میں اپنی عدم استطاعت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"تمدن کے لفظ سے اس کی حیثیت دوچند ہو جاتی ہے میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی جس سے ان کی حدود متعین ہوں کیونکہ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس طرح کی کوئی کوشش بھی مصنوعی تفریق پیدا کر سکے گی جو صرف کتاب تک محدود ہوگی اور قاری اسے محفوظ نہیں رکھ سکے گا بلکہ کتاب بند کرنے کے بعد اس کو بھول جانے ہی میں سکون محسوس کرے گا"[۱]

فیضی نے تمدن کی جو تعریف کی ہے اس سے بھی کلچر کی یہی وضاحت ہوتی ہے: "تمدن سے مراد دو میں سے ایک ہوگی۔ ایک مہذب ہونے کا طرز عمل دوسرے انسانی معاشرہ کی مکمل اور ترقی یافتہ صورت" فیضی نے کلچر کی تعریف مختصر مگر صحیح کی ہے: کلچر باطنی روح کا نام ہے جبکہ تمدن خارجی مظہر ہے[۲]

الندوة العالمية للاسلاميات کے مقالہ نگاروں میں صرف ایم۔ زیڈ۔ صدیقی نے کلچر کی تعریف پر موزوں اور مناسب گفتگو کی ہے۔ موصوف مقالہ نگار نے نہ صرف یہ کہ کلچر کی تعریف کی بلکہ تمدن کے ساتھ اس کا موازنہ بھی کیا ہے یہ موازنہ اتنا صحیح ہے کہ تقریباً ہر ایک کی حیثیت متعین ہو جاتی ہے:

---

[۱] T.S. Elliot, Notes towards the definition of culture, p.13

[۲] Fayzee, Islamic Culture, p.2

"ثقافت کی اصطلاح فکری ارتقا پر دلالت کرتی ہے جبکہ تمدن معاشرتی ترقی کے بلند درجہ کو ظاہر کرتا ہے۔ لہٰذا ثقافت ذہنی کیفیت کو بیان کرتی ہے اور تمدن اس کے مساوی منظہر کی نمائندگی کرتا ہے۔ پہلی کا تعلق فکری عمل سے ہے اور دوسرے کا مادی اکتسابات سے۔ پہلی ایک داخلی کیفیت ہے جبکہ دوسرا خارجی دنیا میں اس کی عملیت کا نام ہے [۱]"

اس موازنہ کے ساتھ اگر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے تجزیے کو ملا لیا جائے تو معاملہ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ مولانا اپنی کتاب "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی" کے دیباچے میں تہذیب کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس بحث کا فیصلہ کرنے کے لیے سب سے پہلے اس سوال کا تصفیہ ہونا ضروری ہے کہ تہذیب کس چیز کو کہتے ہیں؟ لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی قوم کی تہذیب نام ہے اس کے علوم و آداب، فنون لطیفہ، صنائع و بدائع، اطوار معاشرت، انداز تمدن اور طرز سیاست کا۔ مگر حقیقت میں یہ نفس تہذیب نہیں، تہذیب کے نتائج و مظاہر ہیں۔ تہذیب کی اصل نہیں ہیں۔ شجر تہذیب کے برگ و بار ہیں۔ کسی تہذیب کی قدر و قیمت ان ظاہری صورتوں اور نمائشی ملبوسات پر متعین نہیں کی جا سکتی۔ ان سب کو چھوڑ کر ہمیں اس کی روح تک پہنچنا ہے اور اس کے اساس و اصول کا تجسس کرنا ہے [۲]"

ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ، زیڈ صدیقی اور مولانا مودودی کے بیانات سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کلچر نام ہے افکار و نظریات میں ایسے سلجھاؤ اور ترتیب کا جو عملی زندگی کے لیے بہتر بنیاد بن سکیں۔

کلچر اور مذہب

میتھو آرنلڈ کے نزدیک کلچر مذہب سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے بلکہ اس کے نزدیک تو مذہب کلچر کا ایک جزو ہے اکثر مصنفین نے کلچر اور مذہب کے ضمن میں یہی بات کہی ہے۔ فیضی نے "اسلامک کلچر" میں اس خیال کو اس طرح دہرایا ہے:
مذہب، زبان، نسل، ملک یہ ہیں وہ عناصر جن سے ثقافت کی بوقلموں ساخت بنتی ہے [۳]

۱؎ M.Z. Siddiqui, International Colloquium Paper, p.26

۲؎ مولانا مودودی: اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، ص ۱۱

۳؎ Fayzee, Islamic Culture, p.5

اس امر کا فیصلہ بھی صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کلچر کی تعریف کے ساتھ مذہب کی تعریف واضح اور اس کی اثر آفرینی کی حدود متعین کر دی جائیں۔ اس طرح مذہب اور کلچر کا باہمی ربط متعین کرنا آسان ہو جائے گا۔ لیکن تعریف کی دقت یہاں بھی پیش آئے گی کیونکہ تعریف ایسا الجھاؤ ہے جس سے نجات مشکل ہی سے ملتی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مقالہ نگار نے مذہب کی تعریف پر علماء کے بیان اکٹھے کیے ہیں جن میں چند ایک کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

1. Religion is belief in supernatural being - E.B. Tyler. ~~p.79~~

2. A religion is a unified system of belief and practices to sacred things that is to say, things set apart, and forbidden - beliefs and practices which unite into one single moral community called a Church

Durkhem.

3. Religion is man's faith in a power beyond himself whereby he seeks to satisfy his emotional needs and gains, stability of life and which he expresses in acts of worship and service. 1

Encyclopaedia of Religion and Ethics, V.X, p.622

ترجمہ:

۱۔ مذہب ماوراء الطبیعات ہستی پر یقین رکھنے کا نام ہے (ای۔ بی۔ ٹائلر)

۲۔ مذہب ایسے عقائد و اعمال کا ایک متحد نظام ہے جن کا تعلق مقدس اشیاء سے ہو۔ وہ اشیاء جن کو ممتاز گردانا گیا ہے اور وہ جو ممنوع ہیں۔ عقائد و اعمال جو ایک اخلاقی طور پر منظم مرکزیت کو جنم دیتے ہیں جسے معبد کیا جاتا ہے (درخیم)

۳۔ مذہب سے مراد، آدمی سے ماوراء طاقت پر ایمان رکھنا ہے ایسی طاقت جس سے وہ اپنی

لہ

جذباتی احتیاجات اور منافع کی تسکین چاہتا ہے اور استحکامِ حیات جیسے وہ پوجا پاٹ اور خدمت کے عمل کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔

ڈبلیو۔ڈی۔گنڈری (　　　　) نے اپنی کتاب مذہب (　　　　) کے پہلے باب میں مذہب کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے ان کا کہنا ہے کہ مذہب چونکہ انسانی زندگی پہ گہرا اثر رکھتا ہے اس لیے ہر انسان نے اپنے تجربے کی بنیاد پہ مذہب کی تعریف کی ہے مثلاً مذہب اللہ پہ یقین رکھنے کا نام ہے۔ مذہب اچھی زندگی گزارنے کا نام ہے، مذہب باطن کے گہرے تجربے کی کوئی دوسری قسم ہے۔ اسی باب میں وہ مذہب کے متعلق یوں رقم طراز ہے "غیر جانبداری سے اگر دیکھا جائے تو مذہب یہ ہو سکتا ہے۔ اول یہ کائنات کے متعلق ایک طرزِ فکر جس میں آدمی بھی شامل ہے۔ دوم: ایک طرزِ عمل۔ سوم: ایک طریقِ احساس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذہب میں ایک فکری، اخلاقی اور تجرباتی پہلو ہے بلکہ فنی طور پہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر مذہب کا ایک عقیدہ، ایک اخلاقی ضابطہ اور ایک نظم ہوتا ہے[1]

مذہبی کیفیات کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ مصنف لکھتا ہے کہ مذہب میں عام طور پہ ان تین امُور سے بحث ہوتی ہے۔

۱۔ دنیا کیسے وجود میں آئی اور کدھر جا رہی ہے؟ آدمی کا کیا مقام ہے، موت کے بعد کیا ہوگا؟
۲۔ گفتگو اور طرزِ عمل کے متعلق وہ احکام جن کے بغیر کوئی معاشرہ مستحکم نہیں ہو سکتا۔
۳۔ عبادت اور پرستش جس کے بغیر اللہ اور بندے کے درمیان ربط نہیں ہو سکتا۔

بعض اور مذہب ان تین امور کا نام ہوتا ہے اور بعض اوقات ان میں سے کسی ایک کا۔ فاضل مصنّف نے مذہب کی جامعیت کا کھلے الفاظ میں اعتراف کیا ہے "یہ انسانی زندگی کا ایک شعبہ نہیں بلکہ پوری زندگی پہ حاوی ہے"[2]

مذہب کی ان مختلف تعریفات پہ گہری نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب کی تعریف

لہ۱ W.D. Gundry, Religion, p.6

لہ۲ //

میں بھی کوئی مستقل اور مکمل بات نہیں کہی جا سکتی۔ بعض لوگ اسے زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی سمجھتے ہیں تو بعض اسے زندگی کا ایک پہلو قرار دیتے ہیں۔ مذہب زندگی کا ایک پہلو ہے تو وہ کلچر کا ہم معنی ہو سکتا ہے اور اس کا جزو بھی اور اگر مذہب انسان کی پوری زندگی کو زیر بحث لاتا ہے کلچر مذہب کا ایک جزو ہے۔ کیونکہ مذہب انسان کی فکری و عملی زندگی پر حاوی ہے جبکہ کلچر صرف فکری نشوونما سے بحث کرتا ہے۔ مذہب کی یہ جامع تعریف کسی اور مذہب کے لیے جائز ہو یا نہ ہو اسلام پہ یہ حرف بہ حرف صادق آتی ہے کیونکہ قرآن پاک میں اسلام کے لیے دین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو پوری زندگی کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ[1]

بلاشبہ دین (حق اور مقبول) اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔

دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ[2]

کہ وہ ایک مستحکم دین ہے ابراہیم کا طریقہ ہے جس میں ذرا کجی نہیں اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

اسلام ایک پورا نظام ہے اور زندگی کی اس وسیع رہنمائی کا فکری حصہ کلچر ہے۔ اسلام تہذیب و تمدن دونوں پر محیط ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء نے اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں کیونکہ یہ دونوں اسلام میں شامل ہیں۔

تہذیب و ثقافت کے اجزائے تکمیلی کلچر کے عناصر ترکیبی متعین کرنے میں بھی وہی دقت پیش آتی ہے جو اس کے مفہوم کو متعین کرنے میں آئی تھی کیونکہ اجزاء ترکیبی یا تکمیلی میں تصور کا انحصار بنیادی مفہوم پر ہے۔ اگر کلچر کا مفہوم انسانی زندگی کے تمام اعمال ہیں تو پھر اس کے اجزائے ترکیبی میں آرٹ، معاشرتی نظم، عادات و رسوم اور مذہب وغیرہ شامل ہوں گے اور اگر اس سے مراد عقلی و ذہنی سدھار اور نشوونما ہے تو پھر اس کے عناصر

---

[1] سورۃ آل عمران۔ ۱۹

[2] سورۃ الانعام۔ ۱۶۲

ترکیبی نظریاتی اور فکری طرز کے ہوں گے چونکہ ہم نے ثقافت کی تعریف میں دوسرے نقطۂ نظر کو ترجیح دی ہے اس لیے ہمارے نزدیک تہذیب و ثقافت کے عناصر ترکیبی بھی ذہنی اور عقلی ہوں گے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تہذیب کے مندرجہ ذیل عناصر ترکیبی بیان کرتے ہیں[۱]

اول۔ دنیاوی زندگی کا تصوّر۔ دوم۔ زندگی کا نصب العین۔ سوم۔ اساسی عقائد و افکار۔ چہارم۔ تربیتِ افراد کے اصول۔ پنجم۔ نظامِ اجتماعی کے اصول۔

مندرجہ بالا پہلوؤں پر اسلام کی روشنی میں غور و فکر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی ثقافت تمام دنیا کے لیے ایک مثالی نمونہ کیونکر بنی نیز دوسری اقوام پر ثقافتی غلبہ حاصل کر کے ان کی قیادت کیوں کرتی رہی تاکہ ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ پا سکیں اور اقوامِ عالم کی سیّادت کا فریضہ سر انجام دے سکیں۔

۱۔ **دنیاوی زندگی کا تصوّر:** اسلام جس تہذیب کا علمبردار ہے اس میں انسان کو ایسا اعلیٰ و ارفع مقام دیتا ہے جو کسی دوسری تہذیب نے نہیں دیا۔ عیسائیت انسان کو پیدائشی گناہ گار قرار دیتی ہے اور وہ اس وقت تک پاک نہیں ہو سکتا جب تک کفارہ پر ایمان نہ لائے اس لیے عیسائیت کی آغوش میں جو بھی تہذیب پرورش پائے گی اس میں انسان ایک گھٹیا مقام کھڑا ہوگا۔ ہندومت ذات پات کا قائل ہے اور شودر کو سوسائٹی میں وہ جو دینے کو تیار نہیں جو برہمن کو حاصل ہے اس ذات پات کے بطن سے جو بھی تہذیب جنم لے گی وہ نسلِ انسانی میں پیدائشی تفریق پیدا کر دے گی اور مساوات، محبت، اتحاد اور رواداری کو ختم کر دے گی اس کے برعکس اسلام نسلِ انسانی کو مقامِ تکریم پر کھڑا کرتا ہے اور تفریق بین الناس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے کائنات کو خادم اور انسان کو مخدوم اور مالک قرار دیتا ہے قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ[۲]

اور ہم نے نوعِ انسانی کو قابلِ تکریم بنایا ہے۔

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "اسلامی تہذیب اور اسکے اصول و مبادی" للمودودی طبع اچھرہ لاہور

[۲] سورۃ بنی اسرائیل۔ ۷۰

اسلام بنی نوع انسان کی تکریم کا معیار حسب و نسب قرار نہیں دیتا بلکہ معیارِ تکریم تقویٰ قرار دیتا ہے اور اس حقیقت کو قرآن مجید یوں بیان فرماتا ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ [1]

بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک مکرّم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متّقی ہے۔

اسلامی ثقافت کے بانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اس حقیقت کو بڑے واضح الفاظ میں بیان فرمایا:

یا ایھا الناس! الا انّ ربّکم واحدٌ وانّ اباکم واحد۔ لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی ابیض الّا بالتقوی [2]

اے لوگو تمہارا رب ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے سنو کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر سوائے تقویٰ کے۔

اسلام ہمیں یہ ہدایت دیتا ہے کہ کائنات کی مختلف اشیاء انسان کے لیے بنائی گئیں ہیں اور وہ ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ زمین و آسمان، بر و بحر، سورج و چاند، شجر و حجر، پانی اور آگ پھول اور پھل تمام کی تمام انسان کے لیے مفید، خدمت گزار اور مسخر کر دی گئیں ہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا [3]

جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے اس نے سب کا سب تمہارے فائدے کیلیے پیدا کیا ہے۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

---

[1] سورۃ الحجرات۔ ۱۳

[2] مسند احمد، بحوالہ شبلی نعمانی: سیرۃ النبی جلد ۲ ص ۱۵۴

[3] سورۃ البقرہ۔ ۲۹

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ [1]

کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو پورا کیا۔

قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ [2]

اور اس نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر بنایا اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ [3]

اور اسی نے چوپایوں کو پیدا کیا ان میں تمہارے جاڑے کا سامان بھی ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ [4]

اور وہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو (بھی) مسخر بنایا کہ اس میں سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے (موتیوں) کا گہنا نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ اس (دریا) میں (اس کا) پانی چیرتی ہوئی چلی جا رہی ہیں اور تاکہ تم اللہ کی روزی تلاش کرو۔

---

[1] سورۃ لقمان ۔ ۲۰

[2] سورۃ النحل ۔ ۱۲

[3] سورۃ النحل ۔ ۵

[4] سورۃ النحل ۔ ۱۴

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ [1]

وہ ایسا (قادر) ہے کہ (بعض) ہرے درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کر دیتا ہے پھر تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ۙ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۙ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۙ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۙ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۙ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۙ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۙ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ [2]

سو انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے عجیب طور پر پانی برسایا پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا پھر ہم نے اس میں غلہ، انگور، ترکاری، زیتون اور کھجور اور گنجان باغ میوے اور چارہ پیدا کیا (بعض چیزیں تمہارے) اور بعض چیزیں تمہارے مواشی کے فائدے کے لیے۔

قرآن مجید کائنات کی تمام چیزوں کو انسان کے لیے مسخر اور فائدہ مند قرار دے رہا ہے اور انسان کو عزت و تکریم کا مرتبہ عطا فرما رہا ہے اور یہی اسلامی ثقافت کا ممتاز اور نمایاں پہلو ہے ورنہ اسلام کے علاوہ دوسری ثقافتوں میں انسان ان مظاہر فطرت کے سامنے سربسجود ہو کر حاجت روائی میں مشغول ہے۔

۲۔ **زندگی کا نصب العین**: اسلام میں انسانی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے ارشاد الٰہی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [3]

---

[1] سورۃ یٰسین۔ ۸۰

[2] سورۃ عبس۔ ۲۴-۳۲

[3] سورۃ البقرہ۔ ۲۱

اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور انھیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی ہو۔

دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ [1]

اور میں نے جن و انس اس لیے پیدا کیے ہیں تاکہ وہ میری عبادت کریں۔

اسلام اپنے پیروکاروں کو جن عبادات کا حکم دیتا ہے ان کی غرض و غایت تقویٰ، فوز و فلاح، تزکیۂ نفس اور تطہیرِ نفس ہے۔ ان عبادات کے متعلق قرآن مجید کے ارشادات یوں ہیں۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ [2]

نماز ہر قسم کی بے حیائیوں اور بے شرمی کی باتوں سے روکتی ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ [3]

مومن یقیناً کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [4]

تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے والی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا [5]

ان کے مالوں سے زکوٰۃ لو تاکہ اس سے انھیں پاک اور صاف کرے۔

---

[1] سورۃ الذاریات۔ ۵۶

[2] سورۃ العنکبوت۔ ۴۵

[3] سورۃ المومنون۔ ۱-۲

[4] سورۃ البقرہ۔ ۱۸۳

[5] سورۃ التوبہ۔ ۱۰۳

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کعبہ اور اس کے ماحول کو حج کا مرکز قرار دینے کا فلسفہ یہ بتلاتے ہیں کہ حج کا مرکز قرار دینے کے لیے سب سے زیادہ استحقاق کعبہ شریف کو حاصل ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جیسے جلیل القدر پیغمبر نے جو بجا طور پر امام الانبیاء کہلاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے حکم کے مطابق خدائے بزرگ و برتر کے نام پر تعمیر کیا ہے۔ یہ جگہ خانہ کعبہ کی تعمیر سے پہلے ایک سنسان ریگستان اور پتھریلی زمین تھی جہاں پر کسی قسم کا بت نصب نہیں تھا۔ دوسری اقوام نے جن مقامات کی زیارت کو جزوِ مذہب قرار دیا ہے وہ شرک اور بدعت کے اڈے ہیں یہ بھی تطہیر نفس کا ایک ذریعہ ہے کہ آدمی کسی ایسے مقام کی زیارت کے لیے جائے جس کو صالحین قابلِ تعظیم و احترام سمجھتے ہوں اور وہاں پر خصوصیت کے ساتھ خدائے پاک کی یاد اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو اہلِ خیر وہاں جاتے ہیں ان پر بھی صالحین کا رنگ چڑھ جاتا ہے اور ان کے انوار اُن پر چھا جاتے ہیں جس کو میں نے بطور مکاشفہ عیاناً مشاہدہ کیا ہے چونکہ شعائر اللہ کو دیکھنے سے خدائے پاک کی یاد دل میں تازہ ہوتی ہے اس لیے شعائر اللہ کا دیکھنا اور ان کی تعظیم و احترام کرنا بھی ذکرِ خدا کے مفہوم میں شامل سمجھا جاتا ہے خصوصاً جب کہ ایک خاص طریقہ ان کی تعظیم کے لیے مقرر ہو جس میں بعض حدود و قیود کی پابندی کی جاتی ہے اس سے نفس میں ایک قوی بیداری پیدا ہوتی ہے لے کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ط[۲]

اور جو شعائر اللہ کی تعظیم اور ادب کرے سو وہ دل کی پرہیزگاری سے ہے۔

اسلامی ثقافت کا یہ طرّہ امتیاز ہے کہ وہ عبادات کے ذریعے انسانوں کی روحانی اور باطنی تطہیر کر کے مقامِ انسانیت کے عروج تک پہنچا دیتی ہے جس سے ان کی دنیاوی و اُخروی زندگی سُلجھ جاتی ہے۔ عبادات ہی سے محبت و اخوت، مساوات، قربانی و ایثار اور صبر و شکر کے جذبات پروان چڑھتے ہیں اور یہی وہ اوصاف ہیں جو خالقِ کائنات اپنے بندوں میں پیدا کرنا چاہتا

لہ حجۃ اللہ البالغۃ (اردو ترجمہ) تاج کتب خانہ محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور ص ۱۵۶

۲ہ سورۃ الحج - ۳۲

ہے۔ اس کے برعکس دوسری ثقافتوں میں یہ خوبیاں موجود نہیں ہوتیں۔

۳۔ اساسی عقائد و افکار: اسلام انسان کی سیرت کی تعمیر اپنے عقائدِ جلیلہ و محرّکہ پر کرتا ہے۔ ان عقائد کی بدولت ان میں قوت و توانائی اور احساسِ برتری پیدا ہوتی ہے چنانچہ ملتِ اسلامیہ اور اس کی ثقافت نے اپنے عروج و ارتقاء کے دور میں مشرق و مغرب میں جو بے مثال ہمہ جہت ترقی کی تھی اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ اس کی فکری و عملی زندگی میں اسلام کے عقائدِ جلیلہ و محرکہ جاری و ساری تھے۔

قرآن مجید ان اساسی عقائد و افکار کے بارے یوں ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا [1]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے پیغمبر (اعظم و آخر) پر نازل کی ہے اور اُس کتابوں پر بھی جو اس سے پہلے نازل کی تھیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخرت کے دن سے انکار کرے تو وہ بھٹک کر سیدھے راستے سے بہت دور جا پڑا۔

قرآن مجید کے علاوہ حدیثِ نبویؐ میں بھی ان عقائدِ جلیلہ کو بڑے واضح اور بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ اِذْ طَلَعَ عَلَیْنَا رَجُلٌ شَدِیْدُ بَیَاضِ الثِّیَابِ شَدِیْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ

---

[1] سورۃ النساء - ۱۳۶

لَا يُرٰى عَلَيْهِ اَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِسْلَامِ قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لَهٗ يَسْئَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ [1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص حاضر ہوا جس کے کپڑے بہت سفید تھے (اور) بال نہایت سیاہ۔ نہ اُس شخص پر سفر کا کوئی نشان تھا اور نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا یہاں تک کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا اور دو زانو ہو کر اپنے گھٹنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے سے ملا دیئے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لیے اور عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ کو اسلام کی حقیقت کے بارے میں آگاہ فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تُو گواہی دے اس امر کی کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تو نماز ادا کرے۔ زکوٰۃ دے، رمضان کے روزے رکھے اور خانہ کعبہ کا حج کرے اگر تو اس کی استطاعت رکھتا ہو اُس شخص نے (یہ سُن کر) عرض کیا آپ نے سچ فرمایا (راوی کہتے ہیں کہ) ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ شخص دریافت بھی کرتا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف مترجم جلد اول ص ۱۵، مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

اور (خود ہی) تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر اُس نے پوچھا ایمان کی حقیقت بیان فرمائیے آپ نے فرمایا (ایمان یہ ہے) کہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں نیز اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن پر یقین رکھے اور تقدیر کی بھلائی اور بُرائی کو دل سے مانے۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ کے تحت فرمایا ہے کہ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ تو خدائے تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ثبوتیہ و سلبیہ کو دل سے مانے اور تمام عیبوں اور حدوث کی علامتوں سے اس کو پاک و منزّہ یقین کرے۔ اور وَرُسُلِهٖ کے تحت فرمایا کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان لانا واجب ہے (اس طرح پر کہ کسی کے درمیان) اصل نبوت میں تفریق نہ کرے اور تعظیم و توقیر کرنا نیز نقص کے عیب سے ان حضرات کی بارگاہ عزت کو پاک سمجھنا اور قبل نبوت و بعد نبوت چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے انھیں معصوم جاننا واجب ہے۔ یہی قول مختار ہے اور جو قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف عصیان کی نسبت کی گئی ہے اور عتاب فرمایا گیا تو وہ ان کی شان قرب کی بلندی پر مبنی ہے اور مالک کو حق پہنچتا ہے کہ اولیٰ اور افضل کے ترک پر اگرچہ وہ گناہ کی حد تک نہ پہنچے ہوں ان پر اپنے بندہ کو جو چاہے کہے اور عتاب فرمائے دوسرے کی مجال نہیں کہ کچھ کہہ سکے اور اس مقام پر ایک معیار ادب ہے جس کی رعایت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ کی طرف سے بعض انبیاء علیہم السلام پر جو کہ بارگاہِ الٰہی کے مقرب ہیں کوئی عتاب یا خطاب نازل ہو یا ان حضرات کی جانب سے جو کہ خدائے تعالیٰ کے مخصوص بندے ہیں کوئی تواضع، عاجزی اور انکساری کا اظہار ہو جس سے نقص کا وہم ہوتا ہو تو ہم کو جائز نہیں کہ اس میں دخل دیں اور ان (کلمات عتاب یا تواضع) کو (ان کے حق میں) بولیں اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اجمالی اعتقاد یہ ہے کہ مرتبہ الوہیت اور خدا کی صفات کے علاوہ جو کچھ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام فضائل و کمالات بشری کے جامع اور سب میں راسخ و کامل ہیں۔[1]

کتب سماوی پر ایمان لانا اس وجہ سے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور فرامین کا مجموعہ

---

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج اول ص ۴۰

ہوتی ہیں جن پر چل کر انسان فلاح حاصل کر سکتا ہے کتب سماوی کی تکمیل قرآن مجید کی شکل میں ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے ۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا لہ

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا ہے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے ۔

کتب سماوی پر ایمان لانے میں یہ راز مضمر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی حامل ہوتی ہیں جن پر عمل کر کے انسان اپنی دنیاوی و اُخروی زندگی سنوار سکتا ہے ۔ انبیاء علیہم السلام وہ مطہر اور مقدس ہستیاں ہیں جن کے قلوب پر حضرت جبرائیل علیہ السّلام وحی نبوت سے کراتے تھے رسول خدا کا ترجمان اور نمائندہ ہوتا ہے جو وحی کے ذریعے احکام الٰہی کو بندوں تک پہنچاتا ہے قرآن میں آتا ہے :

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى لہ

اور وہ خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا اور وہ جو کچھ کہتا ہے وہی ہوتا ہے جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے ۔

قرآن مجید میں جہاں اللہ پر ایمان لانے کا ذکر ہے وہیں یوم آخرت پر ایمان لانے کا ذکر ہے ۔ ارشادِ الٰہی ہے :

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ سہ

جو اللہ اور آخری دن پر ایمان لایا اور نیک کام کیے پس ان کے لیے ان کے ربّ کے پاس اجر ہے ۔

لہ سورۃ المائدہ ۔ ۳

ٓلہ سورۃ النجم ۔ ۳ ۔ ۴

سہ سورۃ البقرہ ۔ ۶۲

قیامت کے دن پر ایمان لانے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کے دل میں نیک کاموں کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ انسان ہر وقت ڈرتا رہتا ہے کہ اس کو ایک دن علیم و خبیر ہستی کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ جب انسان کے دل میں خوفِ الٰہی پیدا ہو جاتا ہے تو وہ ہر قسم کی برائی سے اجتناب کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ [1]

اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور بُرے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔

ایمان بالملائکہ بھی اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ اور انبیاء و رسل کے مابین واسطہ ہیں۔ علاوہ بریں ملائکہ کی رسالت پر ایمان لائے بغیر رسالت انبیاء علیہم السلام اور وحی و تنزیل پر ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر رسالت و نبوت پر ایمان نہ رہے تو اللہ تعالیٰ پر ایمان ایک لایعنی نظریہ بن کر رہ جاتا ہے۔

ایمان بالقدر بھی اسلام کے عقائد جلیلہ و محرکہ میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بھلائی، برائی اپنے علم ازلی کے موافق مقدر فرما دی ہے۔ جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا اپنے علم ازلی سے جان کر لکھ لیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جیسا اُس نے لکھ دیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے بلکہ جیسا کہ ہم کرنے والے تھے ویسا اُس نے لکھ دیا۔ جیسا کہ حضرت مُلّا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

كَتَبَ اللّٰهُ فِي حَقِّ كُلِّ شَيْءٍ بِاَنَّهٗ سَيَكُوْنُ كَذَا كَذَا وَلَمْ يَكْتُبْ بِاَنَّهٗ لِيَكُنْ كَذَا كَذَا [2]

اسلام ان عقائد و افکار پر ثقافت کی بنیاد استوار اور مضبوط کرتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کے عقائد جلیلہ و محرکہ وخصوصاً عقیدہ توحید کی حریف کوئی آئیڈیالوجی نہ تو ہو سکتی ہے اور نہ ہوئی ہے۔ اسی ثقافت نے مسلمانوں کو اقوامِ عالم کا امام و معلم بنا دیا اور اپنے دینی عقائدِ جلیلہ و محرکہ کی قوت

---

[1] سورۂ رعد : ۲۱

[2] شرح فقہ اکبر ص ۴۹

سے حیرت انگیز ترقی کے ساتھ مشرق و مغرب میں پھیل گئے ۔ اصل یہ ہے کہ جس قوم میں ایمان و عقیدہ توحید کی باطل شکن قوت کے ساتھ نظریاتی قوتیں مجتمع ہوجاتی ہیں تو اسے دوسری قوموں کی نگاہوں میں جلیل و جمیل بنا دیتی ہیں پھر یہ قومیں اس کے جلال و جمال سے مرعوب و مسخر ہوجاتی ہیں اور ان کی نظر میں وہ قوم مثالی بن جاتی ہے ۔

۴ ۔ **تربیت افراد کے اصول** : اسلام معاشرے کے افراد کی تربیت کا عظیم فریضہ بھی سرانجام دیتا ہے یعنی انسان کو بحیثیت انسان کیسے ہونا چاہیے ۔ وہ کون سے خصائل ، اوصاف اور نفسی خصائص ہیں جو انسان کے اندر پیدا ہونے چاہیں ۔ دنیا میں اسلام کے سوا کسی مذہب نے ضابطہ اخلاق کو مکمل طور پر پیش نہیں کیا ۔ ہر مذاہب نے صرف چند اخلاقی باتیں ہی بیان کر دی ہیں اسلام ہی وہ دین متین ہے جس نے بنی نوع انسان کے لیے مکمل ضابطہ اخلاق پیش کیا ہے یہ ضابطہ اخلاق انسان کی طبع ، اخلاقی اور روحانی حالت پر مشتمل ہے ۔ طبعی حالت پر مشتمل ضابطہ اخلاق انسانوں کو وحشیانہ انداز زندگی سے نکال کر مہذب و متمدن بناتا ہے ۔ اس میں دو قسم کے آداب ہیں ۔ جنسی آداب اور معاشرتی آداب ۔ اب ان ہی دو پہلوؤں پر اسلام کی روشنی میں نظر ڈالنے کی کوشش کی جائے گی ۔

(۱) ۔ **جنسی آداب** : ان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ثقافت جنسی جذبات سے مغلوب ہو کر ان کے سانچے میں ڈھلنے نہ پائے ۔ جنسی آداب میں سب سے پہلے تحفظ نظر ہے اور اس کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر ذیل میں بیان کیا جاتا ہے ۔

ا ۔ **تحفظِ نظر تحفظ آرائش جمال و تحفظ عورات** : تحفظ نظر کے لیے قرآن مجید اور کتب حدیث میں واضح ہدایات ملتی ہیں ۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے ۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ

اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؎

مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لیے بہت زیادہ تزکیہ نفس کی بات ہے ۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے خبردار ہے ۔

اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش جمال کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر آنچل اوڑھے رہا کریں بجز ان کے اپنے شوہر، باپ، خسر، بیٹے، شوہر کے بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے اور عورتیں، اپنے ملازم و زیردست، نیز وہ خدام جو جنسی خواہشات نہ رکھتے ہوں ایسے لڑکے جو ابھی جنسیات سے واقف نہیں ہیں ۔ ان کے علاوہ اور کسی پر جنسی اعضاء ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں اس طرح زمین پر نہ ماریں کہ ان کی پوشیدہ آرائش جمال ظاہر ہو جائے اور مومنو سب مل کر اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ ۔

اسلام نے افراد کے قلبی نظام کی پاکیزگی اور اس کی نشوونما کے لیے متذکرہ بالا آیات میں خصوصیت سے نظر، آرائش جمال اور جنسی اعضاء کے تحفظ کا حکم دیا ہے ۔ جنس چونکہ ثقافت کے نشوو ارتقاء کی طرح اس کے انحطاط و زوال کا سبب بھی بن جاتی ہے اس لیے اس ضمن میں اسلامی احکام کی صراحت کی غرض سے چند احادیث بھی پیش کی جاتی ہیں ۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا يَبِيْتَنَّ

؎ سورۃ النور : ۳۰ ۔ ۳۱ ۔

رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ ثَیِّبٍ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ نَاکِحًا اَوْ ذَا مَحْرَمٍ (رواہ مسلم)
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار کوئی مرد کسی ثیب عورت کے ساتھ رات نہ گذارے بجز شوہر اور محرم کے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المرأۃ تقبل فی صورۃِ شیطان و تدبرُ فی صورۃِ شیطان اذا احدکم اعجبتہ المرأۃ فوقعت فی قلبہٖ فلیعمِدْ الی امراتہٖ فلیواقعھا فانّ ذالِکَ یرد ما فی نفسہٖ۔ (رواہ مسلم[1])
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے لہذا اگر کوئی عورت تم میں سے کسی کو حسین معلوم ہو اور دل میں اس کی رغبت یا محبت پیدا ہو تو وہ فوراً اپنی بیوی کا ارادہ کرے اور اس سے جنسی جذبے کی تسکین کرے اس طرح نفس کی کیفیات بدل جائیں گی۔

جنسی تقدس کی خاطر اسلام نے متعدد ہدایات دی ہیں۔ حدیث نبویؐ ہے۔
عن ابی سعیدؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہٖ وسلم لاینظُر الرّجُلُ اِلی عورۃ الرّجل ولا المرأۃ الی عورۃ المرأۃ ولا یفضی الرجُل اِلی الرجُل فی ثوبٍ واحدٍ ولا تفضی المرأۃ الی المرأۃ فی ثوبٍ واحدٍ[3]
ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد دوسرے مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ عورت دوسری عورت کے ستر کو دیکھے اور نہ دو

---

[1] مشکوٰۃ شریف (مترجم) جلد دوم ص ۶۷، مکتبہ رحمانیہ لاہور
[2] ایضاً
[3] ایضاً

(ننگے) مرد ایک کپڑے میں جمع ہوں اور نہ دو برہنہ عورتیں ایک میں اکٹھی ہوں ۔

یہ حدیث مبارکہ اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ جمالیاتی نقطۂ نظر سے مرد و عورت کے جنسی اعضائے مخصوص قابلِ دید نہیں ہیں بلکہ قبیح و مکروہ ہیں ۔ اسلام میں بلا ضرورت مرد کے لیے رانوں کو ننگا کرنے کی بھی ممانعت ہے ۔ حدیث نبوی ہے :

الفخذ عورۃ [1] ران چھپانے کی چیز ہے ۔

جنسی تقدس اور جمالیاتی احترام سے متعلق چند احادیث نبوی اور پیش کی جاتی ہیں ۔

ایّاکم وَالتعرّی فانّ معکم من لا یفارقکم الا عند الغائط وحین یفضی الرجل الی اھلہ فاستحیوھم واکرموھم [2]

تم ننگے ہونے سے بچو اس لیے کہ تمہارے ساتھ وہ ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے مگر پاخانہ کی حالت میں اور بیوی سے صحبت کرتے وقت ۔ پس ان سے حیا کرو اور انکی تعظیم کرو ۔

اسلام نے انسان کو جنسی آلودگی اور اس کے تباہ کن اثرات سے بچانے کے لیے کثرت سے احکام دیے ہیں جن میں چند یہ ہیں ۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔

لا یخلونّ رجلٌ بامراۃٍ الاّ کان ثالثھما الشیطان [3]

کوئی آدمی کسی اجنبی عورت کے ساتھ علیحدہ نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے ۔

لیکن جو شخص جنسی تقدس کا لحاظ اور نظر کا احترام کرتا ہے اسے اس کا اجر اعلیٰ قسم کے جمالیاتی و روحانی حظ کی صورت میں ملتا ہے ۔ حدیث نبوی ہے :

مَا من مسلم ینظر الی محاسن امرأۃ اوّل مرّۃٍ ثمّ یغضّ بصرہ الاّ احدث اللہ لہٗ عبادۃً یجد حلاوتھا [4]

---

[1] جامع ترمذی شریف (مترجم) جلد دوم ص ۲۹۰ مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

[2] ایضاً ص ۲۹۱

[3] مشکوٰۃ شریف (مترجم) جلد دوم ص ۶۹

[4] ایضاً ص ۷۰

جس مسلمان کی نظر غیر ارادی طور پر کسی عورت کے محاسن پر پڑ جائے اور وہ فوراً نظر پھیر لے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ ایک ایسی عبادت عنایت فرماتا ہے جس کا حظ اسے حاصل ہوتا ہے۔

ب۔ **فرضیت نکاح**: ثقافت اسلامی میں جنس کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر اسلام نے انسان کے کردار کو پاکیزہ حسین اور مفید بنانے کے لیے نکاح کو ایک ناگزیر معاشرتی ضرورت قرار دیا ہے۔ نکاح کے لغوی معنی وابستگی اور پیوستگی کے ہیں عربی میں کہا جاتا ہے تناکحت الاشجار اذا تمایلت وانضم بعضها الی بعض[1]

نکاح ایک تمدنی ضرورت ہے لیکن قرآن وسنت نے اس پہلو کے علاوہ اسے اخلاقی و دینی ضرورت بھی قرار دیا ہے اور اس کے قیام پر بہت شدت سے عمل کرایا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ[2]

جو تم میں سے مجرد ہیں ان کے نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو صلاحیت رکھتے ہوں اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ فراخی والا علم والا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّیَّةً[3]

اور ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے اور انھیں بیویاں اور اولاد بھی دی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

یا معشر الشباب من استطاع الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ

---

[1] عبدالرحمٰن الجزیری: الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، کتاب النکاح ج ۴ ص ۱ مصر

[2] سورۃ النور: ۳۲

[3] سورۃ الرعد: ۳۸

له وجاءُ [1]

اے نوجوانو جو کوئی تم میں سے ازدواجی زندگی گزارنے کی استطاعت (مہرو نفقہ وغیرہ) رکھتا ہو اُسے نکاح کرلینا چاہیے وجہ یہ ہے کہ نکاح آنکھ کو محفوظ اور جنسی عضو کو مصئُون رکھتا ہے لیکن جو شخص اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسکو روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ وہ شدید جنسی خواہش کو ختم کر دیتا ہے۔

نکاح اسلامی ثقافت کی ایک ناگزیر ضرورت ہے اس لیے اسے دینی فریضہ سمجھ کر کرنا چاہیے جو شخص اس نیت سے نکاح کرتا ہے اس کی ازدواجی زندگی کامیاب رہتی ہے لہذا اسلام اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو محض مال و دولت کی لالچ یا محض عورت کے جمال کی وجہ سے نکاح کرتا ہے۔

تُنکح المرأة لأربعٍ لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك [2]

عورت سے چار باتوں کی خاطر نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال و دولت، حسب و نسب، جمال اور دین کی خاطر۔ جس شخص نے دین کی خاطر نکاح کیا وہ کامیاب ہوا (اگر تو نے کسی اور وجہ سے نکاح کیا تو) تو ذلیل ہوا۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث میں نکاح کو نصف دین قرار دیا گیا ہے جس سے اس کی غیر معمولی اہمیت پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إذا تزوّج العبد فقد استكمل نصف الدين فليتّقِ الله في النصف الباقي [3]

---

[1] بخاری شریف، کتاب النکاح ج سوم ص ۶۸، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی۔

[2] بخاری شریف، کتاب النکاح ج سوم ص ۷۵

[3] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۶۶

جس وقت کوئی شخص نکاح کرتا ہے اس کا آدھا دین پورا ہو جاتا ہے لہذا باقی آدھے میں وہ اللہ سے ڈرے۔

اسلامی معاشرے کو پاکیزہ اور مفاسد سے پاک وصاف رکھنے کی خاطر جہاں نکاح کو ایک اہم ترین فریضہ قرار دیا گیا ہے وہاں اُسے آسان بھی بنا دیا گیا ہے چنانچہ جس شخص کے دین اور خُلق سے لڑکی والے خوش ہوں اس کے پیغام نکاح کو قبول کر لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث نبوی ہے:

اذا خطب الیکم من ترضون دینه وخلقه فزوّجوه الاّ تفعلوا تکن فتنة فی الارض وفساد عریض [۱]

اگر کوئی شخص تمہارے پاس نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین اور خلق سے تم راضی اور خوش ہو تو اس سے نکاح کر دو اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور وسیع طور پر فساد برپا ہوگا۔

ع۔ تعدد ازدواج کی رخصت: اللہ تعالیٰ کی صفات خالقیت و ربوبیت کا تقاضا ہے کہ نسل انسانی کا سلسلہ جاری و ساری رہے لہذا اُس نے نسلِ انسانی کی پیدائش و افزائش کی خاطر عورت کو کھیتی کی طرح بنایا ہے۔ مرد کو ضرورت و احتیاج کے وقت تعدد ازدواج کی اجازت دی گئی ہے لیکن کوئی مرد بیک وقت چار سے زائد بیویاں رکھنے کا مجاز نہیں ہے تعدد ازدواج کی رخصت اس کڑی شرط سے مشروط ہے کہ مرد کو اپنی تمام بیویوں میں عدل روا رکھنا ہوگا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً [۲]

اور اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں دو دو اور تین تین اور چار چار اور اگر تمہیں خوف

---

[۱] جامع ترمذی شریف (مترجم) ج اول ص ۵۰۳

[۲] سورۃ النساء : ۳

ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے تو ایک بیوی سے زیادہ نہ کرو۔

۳۔ **طلاق و خلع کی اجازت:** نکاح ایک اہم معاشرتی ضرورت ہے کیونکہ یہ خاندان معاشرے کی تشکیل و تنظیم کرتے ہیں لیکن اگر میاں بیوی میں محبت نہ رہے اور ان کے درمیان اختلاف و تنازع پیدا ہو جائے اور صلح و مصالحت کے امکانات ختم ہو جائیں تو خاندانی زندگی کے مفاد کے پیش نظر اسلام نے طلاق و خلع کی اجازت دی ہے لیکن طلاق و خلع دونوں صورتوں میں جُدائی احسن طریق سے ہونی چاہیے۔ عورت پر بالخصوص کسی طرح کی زیادتی نہیں ہونی چاہیے بلکہ مرد کو اس سے اس موقع پر بھی احسان ہی کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ازدواجی زندگی کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر اسلام طلاق اور خُلع کو ایک ناگزیر برائی کے طور پر قبول کرتا ہے لیکن اُسے پسند نہیں کرتا۔ اس موقف کی تائید میں متعدد احادیث طیبہ میں سے صرف دو تحریر کی جاتی ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ایّما امرأۃ سالت زوجھا طلاقًا من غیر باسٍ فحرامٌ علیھا رائحۃ الجنّۃ[۱]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت بلا وجہ اپنے شوہر سے طلاق چاہے اُس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ طلاق کے بارے میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ابغَضُ الحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ عزّ وجلّ الطَّلَاقُ[۲]

حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بُری چیز طلاق ہے۔

اسلام نے مفصلہ بالا حدود اس لیے قائم کئے ہیں کہ معاشرہ حُسن و طہارت اور امن و سلامتی کی جنت بنا رہے اور اس میں فحاشی اپنی گندگی اور مفاسد کے ساتھ راہ نہ پا سکے۔

۴۔ **فحاشی کی ممانعت:** اسلامی ثقافت میں جس کا خمیر حُسن و پاکیزگی سے اٹھا ہے فحاشی کی کسی صُورت میں کوئی گنجائش نہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اسلام انسان کو بار بار فحاشی سے محترز رہنے

---

[۱] جامع ترمذی (مترجم) جلد اول باب ما جاء فی المختلعات ص ۵۵۰ مطبع سعید قرآن محل کراچی

[۲] سنن ابی داود (مترجم) جلد دوم باب فی کراھیۃ الطلاق ص ۱۶۹ مطبع سعیدی کراچی

کی تاکید کرتا ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ [1]

اور بے حیائی کے کام ظاہرہ ہوں یا پوشیدہ ان کے قریب بھی نہ جانا۔

فحاشی کی ایک بدترین قسم زنا ہے اور وہ ایک خطرناک و گمراہ کن رستہ ہے جو فرد و قوم کو ہلاکت و بربادی کی طرف لے جاتا ہے اس لیے اسلام نے اُس سے بھی دُور رہنے کی تاکید کی ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا [2]

اور زنا کے قریب مت جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی کی بات ہے اور بُری راہ ہے۔

زنا کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے:

لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ [3]

زنا کرنے والا زنا نہیں کرتا ہے اس حال میں کہ وہ مومن ہو۔

۲ - **معاشرتی آداب**: اسلام نے جہاں جنسی آداب سکھائے ہیں اور دنیا کو مہذب بنایا ہے وہاں معاشرتی آداب سکھا کر بھی اسلامی ثقافت کو بلند اور دوبالا کیا ہے۔ یہ آداب صدیوں ہماری ثقافت کے اجزائے لاینفک رہے ہیں گو بدقسمتی سے ہم نے ان میں سے بعض کو اس طرح ترک کر دیا کہ ہمیں یاد بھی نہیں رہا کہ وہ صدیوں تک ہماری ثقافت کی امتیازی علامات، خصوصیات سمجھے جاتے رہے ہیں ملی تاریخ کو تو اغیار نے مسخ کر دیا لیکن قرآن مجید کی اور کتب حدیث کے ریکارڈ میں یہ آداب محفوظ ہیں اور وہ حسن و پاکیزگی کے لحاظ سے اب بھی ہر ترقی یافتہ ثقافت کے آداب سے بہتر ہیں۔ یہ معاشرتی آداب مندرجہ ذیل ہیں۔

ا - **آداب ملاقات**: اسلام ہمیں ہدایت کرتا ہے کہ جب دوسرے آدمیوں سے

---

[1] سورۃ الانعام: ۱۵۲

[2] سورۃ بنی اسرائیل: ۳۲

[3] بخاری شریف (مترجم) کتاب المحاربین ج سوم ص ۶۳۰، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی۔

ملاقات کے لیے جانا پڑے تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لیں اور اہل خانہ کو سلام کہیں بلکہ اپنے گھر میں بھی داخل ہونے کا یہی طریقہ ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ [1]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں پر سلام کر دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو پھر اگر ان میں سے کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جائے اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو واپس آجاؤ وہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔

اسلام نے شخصی آزادی کا مکمل تحفظ کیا ہے اور اس کے جملہ آداب سکھا دیے ہیں۔ انسان کو گھر میں تخلیہ کی آزادی کا پورا حق ہے لہذا ایک تو کسی شخص کو بلا اجازت کسی کے تخلیے میں جانے کی ممانعت کر دی گئی ہے دوسرے کسی کے گھر میں جھانکنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس پر ہم متعدد احادیث طیبہ سے استشہاد کر سکتے ہیں۔

حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا دخل البصر فلا اذن [2]

یعنی جب نظر داخل ہو گئی تو پھر داخل ہونے کی اجازت لینے کے کیا معنی؟

---

[1] سورۂ نور: ۲۷ - ۲۸

[2] سنن ابی داؤد (مترجم) ج سوم ص ۶۴۶ مطبع سعیدی کراچی

عَنْ انسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کان فِی بَیتِہٖ فاطلع عَلَیْہِ رجل فاھوی الیہ بمشقصٍ فتاخّرَ الرَّجُل [1]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تھے ایک شخص نے آپؐ کو جھانکا۔ آپؐ نے تیر کی نوک اس کی طرف کی وہ پیچھے ہٹ گیا۔

عَنْ ھُزَیل قَالَ جَاء رجلٌ قال عثمان سعد بن ابی وقاص فوقف علی باب النَّبِیّ صلی اللہ علیہ وسلم یستاذن فقام علی الباب قال عثمان مستقبل البَاب فقال لہ النَّبِیّ صلی اللہ علیہ وسلم ھکذا عنک وَھکذا فانّما الاستیذان من النظر [2]

حضرت ہزیلؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے عثمانؓ کی روایت میں ہے کہ وہ سعدؓ بن ابی وقاص تھے۔ تو آپؐ کے دروازے پر اجازت مانگنے کے لیے کھڑے ہوئے لیکن منہ دروازے کی طرف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح کھڑا ہو کیونکہ اجازت لینا اسی واسطے لازم ہے کہ یکایک گھر کے لوگوں پر نظر نہ پڑے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد پاک ہے:

لَوْ اَنَّ امْرَأً اطَّلَعَ عَلَیْکَ بِغَیْرِ اِذنٍ فَخَذَفْتَہٗ بِحَصَاۃٍ فَفَقَأْتَ عَیْنَہٗ لَمْ یَکُنْ عَلَیْکَ جُنَاحٌ [3]

اگر کوئی شخص تم کو بغیر اجازت کے جھانک کر دیکھے اور تو اس کو کنکر پھینک کر مارے اور اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

---

[1] جامع ترمذی شریف (مترجم) ج دوم ص ۲۵۸، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی۔

[2] سنن ابی داؤد (مترجم) ج سوم ص ۶۵۰، مطبع سعیدی کراچی۔

[3] بخاری شریف (مترجم) ج سوم ص ۶۶۶، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی۔

اجازت مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنا نام بتانا چاہیے۔

عَنْ جابرؓ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فی دین کان علیٰ اَبِي فدققتُ البَابَ فقالَ: مَن ذَا؟ فقلتُ اَنَا، فقال اَنَا اَنَا كَانَّهُ كَرِهَهَا[1]

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ قرض کے سلسلے میں جو میرے باپ پر تھا میں نبی اکرمؐ کے ہاں گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا آپؐ نے دریافت فرمایا کون ہے میں نے عرض کیا میں ہوں گویا کہ آپؐ کو میرا اپنا نام ظاہر نہ کرنا ناگوار گزرا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حسنہ بھی یہی تھی چنانچہ حضرت عبداللہ بن بُسرؓ سے روایت ہے کہ:

كانَ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اَتَى بَابَ قومٍ لَمْ يَسْتَقْبِلِ البَابَ مِن تِلقَاءِ وجهِهِ ولكن من رُكنِهِ الاَيمَنِ اَوِ الاَيسَرِ وَيقولُ السلامُ عليكم وذالك اَنَّ الدُّور لَمْ تَكُنْ عليهَا يومَئِذٍ سُتُورٌ[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو دروازے کی طرف منہ کر کے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور فرماتے السلامُ علیکم۔ السلامُ علیکم۔ اور دروازے کے سامنے کھڑا نہ ہونا اس وجہ سے تھا کہ اس زمانے میں دروازوں کے سامنے پردے پڑے نہ ہوتے تھے۔

ب۔ اسلام، مصافحہ و معانقہ کرنا: اسلام اپنی ثقافت کو کلی طور پر حسین و پاکیزہ اور حرکی و ارتقائی دیکھنے کا خواہش مند ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کے معاشرتی آداب کل ثقافتی زندگی پر محیط ہیں۔ ظاہر ہے ان تمام کا احاطہ کرنا ممکن نہیں لیکن ان میں سے چند ایک کی طرف اشارے

---

[1] بخاری شریف (مترجم) ج سوم ص ۴۴۳، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

[2] سنن ابی داؤد (مترجم) ج سوم ص ۶۵۴، مطبع سعیدی کراچی

کئے جاتے ہیں۔ اسلام اپنے پیروکاروں پر لازم ٹھہراتا ہے کہ چلتے پھرتے وقت، اور دوسروں سے ملاقات کے وقت سلام کا رواج عام کریں تاکہ اخوت ومحبت اور مساوات کے جذبات پروان چڑھیں حدیث نبوی ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمرو انّ رجلاً سأل رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ایّ الاسلام خیرٌ قال تُطعِمُ الطّعام وتقرءُ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف [1]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کس قسم کا اسلام بہتر ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور جس کو جانتے ہو اور نہ جانتے ہو سلام کرو۔

اس سے ملتی جلتی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تدخلون الجنّۃ حتّٰی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتّٰی تحابّوا اولا ادلّکم علی شیءٍ اذا فعلتموہ تحاببتم افشوا السّلام بینکم [2]

تم اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگے جب تک تم ایمان نہ لاؤ اور اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا جب تک تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو کیا میں تمہیں اس بات کی نشاندہی نہ کردوں کہ جب تم اس پر عمل کرو تو تمہارے درمیان محبت بڑھے؟ اور وہ بات یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ آپؐ ہمیشہ لوگوں کو پہلے سلام کیا کرتے تھے:

عن جریرؓ انّ النّبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم مرّ علی نسوۃٍ فسلّم علیھنّ [3]

---

[1] بخاری شریف (مترجم) ج اول ص ۹۱ مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

[2] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۳۸۳، مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

[3] ایضاً ص ۳۷۴

حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے قریب سے گزرے تو آپ نے انھیں سلام کیا۔

ایک اور حدیث پاک سے سلام کرنے کے اور آداب بھی معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيل عَلَى الْكَثِير[1]

سوار پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور کم تعداد زیادہ تعداد والوں کو سلام کرے۔

عن ابی هريرة عن النبيّ صلى الله عليه وسلم قال يُسَلِّمُ الصَّغِير على الكبير والمَارُّ على القاعِد والقَلِيل عَلَى الكثير[2]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوٹا بڑے کو چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے آدمی زیادہ کو سلام کریں۔

اسلام میں سلام کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ اگر خط میں سلام لکھا ہوا ہو تو اس کا بھی جواب دینا واجب ہے اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ زبان سے جواب دے اور دوسرے یہ کہ سلام کا جواب لکھ کر بھیج دے اس کے متعلق اسلامی قانون یہ ہے:

يجب رد جواب كتاب التحية[3]

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ضروری ہے کہ کسی شخص نے کسی کو کہا کہ فلاں کو میرا سلام کہہ دینا اور اس نے وعدہ کر لیا تو سلام پہنچانا واجب ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد پنجم باب السلام میں ہے

اذا امر رجلا ان يقرا سلامه على فلان يجب عليه ذالك۔

---

[1] بخاری شریف (مترجم) ج سوم ص ۴۷

[2] ایضاً

[3] درمختار و شامی ج پنجم ص ۲۷۵

سلام کی طرح مصافحہ و معانقہ بھی اسلامی ثقافت کے آداب میں سے ہے بلکہ اقوام عالم میں مصافحہ و معانقہ کا رواج بھی اسلامی ثقافت کا مرہون منت ہے۔ مصافحہ و معانقہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حسنہ ہیں۔

عن عطاءؒ بن الخراسانیؒ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تصافحوا یذہب الغل وتہادوا تحابوا وتذہب الشحناء[۱]

عطاءؒ خراسانی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ کرو اس سے کینہ جاتا رہتا ہے اور ہدیہ بھیجو آپس میں محبت ہوگی اور دشمنی جاتی رہے گی۔

عن الشعبیؓ انّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم تلقی جعفر بن ابی طالب فالتزمہٗ وقبل ما بین عینیہ[۲]

حضرت شعبیؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جعفرؓ بن ابی طالب سے ملے تو ان کو گلے لگا لیا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ پرہیزگار عالم کا ہاتھ چومنا جائز ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ مستحب ہے اور وفد عبدالقیس کی حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے پاؤں چومنے کا جواز ثابت ہوا[۳]

اور درمختار بحث مصافحہ میں ہے کہ:

لاباس بتقبیل ید الرجل العالم المتورع علی سبیل التبرک۔

یعنی برکت کے لیے عالم اور پرہیزگار آدمی کا ہاتھ چومنا جائز ہے۔

اسی طرح ہر نماز باجماعت کے بعد بھی مصافحہ کرنا جائز ہے۔ درمختار کتاب الحظر والاباحۃ

---

[۱] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۳۹۶

[۲] سنن ابی داؤد (مترجم) ج سوم ص ۶۶۴

[۳] اشعۃ اللمعات ج چہارم ص ۲۱

باب الاستبراء میں ہے:

تجوز المصافحة ولو بعد العصر وقولهم انه بدعة ای مباحة حسنة كما افاده النووی فی اذكاره اھ ملخصًا

یعنی بعد نماز عصر بھی مصافحہ کرنا جائز ہے اور فقہا نے جو اسے بدعت فرمایا تو وہ بدعت مباحہ حسنہ ہے جیسا کہ امام نووی نے اپنے اذکار میں فرمایا۔ اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے:

قال اعلم ان المصافحة مستحبة عند كل لقاء واما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر فلا اصل له فی الشرع علی هذا الوجه ولكن لا باس به۔ قال الشيخ ابو الحسن البكری وتقييده بما بعد الصبح والعصر علی عادة كانت فی زمنه والا فعقب الصلاة كلها كذالك اھ ملخصًا[1]

یعنی امام نووی نے فرمایا کہ ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے اور فجر و عصر کی نماز کے بعد جو مصافحہ کا رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں لیکن اس میں کوئی حرج نہیں۔ شیخ ابو الحسن بکری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ صبح و عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بنا پر ہے جو امام نووی کے زمانہ میں تھی ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہی حکم ہے یعنی جائز ہے۔

ج ۔ طہارت اور اس کے آداب: طہارت اسلامی ثقافت کا جزو لاینفک ہے اس کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ مندرجہ ذیل دو امور سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اولاً اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر ﷺ پر سب سے پہلے وحی (سورۃ العلق کی ابتدائی آیات) کے بعد جو دوسری وحی نازل فرمائی اس میں یہ حکم ہوا۔

يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ

---

[1] ردالمحتار، السید محمد امین الشہیر بابن عابدین شامی، ج پنجم ص ۲۵۲

فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ [1]

اے اوڑھنے والے، اُٹھ اور ڈرا، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے صاف رکھو اور ناپاکی اور گندگی کو چھوڑ دو۔

ثانیاً حدیث اور فقہ کی کتابوں میں ایمان کے بعد دوسرا موضوع طہارت ہے۔ بہرحال اسلام یہ چاہتا ہے کہ تمام بنی نوع انسان خصوصاً مسلمان ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے پاکیزہ زندگی گذاریں۔ پاکیزگی صحتِ بدنی اور صحت قلبی دونوں کی ضامن ہے نیز وہ بدنی و روحانی امراض کے لیے شفا بھی ہے جس طرح پھلدار پودوں کی نشوونما کے لیے ضروری ہے کہ انھیں کیڑے مکوڑوں اور امراض سے پاک و صاف رکھا جائے اُسی طرح انسان کی جسمانی اور قلبی قوتوں کے ارتقاء کے لیے طہارت ایک لازمی شرط ہے اصل یہ ہے کہ انسان کی یہ خداداد قوتیں بھی اسی صورت میں ثمر لاتی ہیں جب ان کا تزکیہ کیا جائے اور تزکیہ کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے قرآن مجید کی اس آیت پر غور کرنا چاہیے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا [2]

جس شخص نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ فلاح پا گیا اور جس نے اسے دفن کر دیا وہ ناکام و نامراد ہو گیا۔

اسلام میں نماز فرض ہے اور اسے تمام عبادات میں اولیت حاصل ہے لیکن اس فرض کو بھی غسلِ جنابت کے بغیر ادا کرنے کی اجازت نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا [3]

اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو نہا لیا کرو۔

طہارت میں صفائی اور پاکیزگی دونوں مفاہیم شامل ہیں بہرحال اسلام میں پاکیزگی کا وجوب تو

---

[1] سورۃ المدثر : ۱ - ۵

[2] سورۃ الشمس : ۹ - ۱۰

[3] سورۃ المائدہ : ۶

مسلّمہ ہے لیکن نماز پڑھنے کے وقت خصوصاً جسم ولباس کا پاکیزہ ہونا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں وضو نماز کی ایک لازمی شرط ہے۔ وضو انسان کے اعضاء وجوارح اور قلب ونگاہ کی صفائی و پاکیزگی کا بہترین ذریعہ ہے اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نے اسے کیوں غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ [1]

اے ایمان والو جب تم نماز پڑھنے کا قصد کرو تو منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو نیز ٹخنوں تک پاؤں دھو لیا کرو اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو نہا کر پاک ہو جایا کرو ولیکن تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا بیوی سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح کر لیا کرو اللہ تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔

وضو کی اہمیت کا اندازہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ جس میں آپؐ نے فرمایا:

لاتقبل صلوٰۃ من احدث حتی یتوضا [2]

---

[1] سورۃ المائدہ: ۶

[2] صحیح بخاری شریف (مترجم) ج اول، کتاب الوضوء ص ۱۴۴، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

بے وضو آدمی کی نماز قبول کی جاتی یہاں تک کہ وضو کرے۔
وضو میں کسی عضو کے دھونے کے یہ معنی ہیں کہ اس عضو کے ہر حصّہ پر کم سے کم دو بوند پانی بہہ جائے جس کی دلیل یہ ہے:

اسالة الماء مع التقاطر ولو قطرة وفی الفیض اقلة قطرتان فی الاصح [1]

یعنی تقاطر کے ساتھ پانی بہایا جائے اس طرح کہ عضو کے ہر حصّہ پر کم سے کم دو بونڈ پانی بہہ جائے۔

لایجوز الوضوء مالم یتقاطر الماء [2]

جب تک اعضائے وضو کے ہر حصّہ پر پانی کی بوند یکے بعد دیگرے نہ گزر جائے۔ وضو نہ ہوگا۔

اسلام کی ایک امتیازی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر کام عبادت اور ہر عبادت کا اجر یا ثواب ملتا ہے چنانچہ وضو کی فضیلت اور اجرِ عظیم سے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بہت ہیں۔ حدیث یوں ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم تبلُغ الحلیة مِن المؤمن حیث یبلغ الوضوءُ [3]

رسول اکرم ؐ نے فرمایا (جنت میں) مومن کو وہاں تک زیور پہنایا جائے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مفتاح الجنّة الصلوٰة ومفتاح الصلوٰة الطهور [4]

---

[1] درمختار مع ردالمختار ج اول ص ۶۷
[2] فتاویٰ عالمگیری ج اول مصری ص ۴
[3] مشکوٰة شریف (مترجم) ج اول ص ۹۷، مکتبہ رحمانیہ لاہور
[4] ایضاً ص ۸۰

"جنت کی کنجی نماز کی کنجی وضو ہے"
حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن وضو کرنے والوں کو روشن پیشانی اور سفید اعضاء والا کہہ کر پکارا جائے گا۔

انّ امتی یدعون یوم القیمۃ غراً محجلین من اثار الوضوء فمن استطاع منکم ان یطیل غرتہ فلیفعل[1]

میری امت قیامت کے دن روشن پیشانی، سفید اعضاء والی پکاری جائے گی اور یہ روشنی و سفیدی وضو کی وجہ سے ہوگی بس تم میں سے جو شخص اپنی پیشانی کی روشنی کو بڑھا سکے تو اسے چاہیے کہ وہ ایسا ہی کرے۔

اسلام میں طہارت اور پاکیزگی کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ اسے ایمان کا جزو لاینفک قرار دیا گیا ہے۔ حدیث نبوی ہے:

الطہور شطر الایمان[2]

پاکیزگی ایمان کا نصف جزو ہے۔

دوسری حدیث ہے:

الطہور نصف الایمان[3]

پاکیزگی نصف ایمان ہے۔

اسلام دین فطرت ہے یعنی اس کے احکام، اصول اور حدود بعینہٖ وہ ہیں جو فطرتِ الٰہی اور فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں پاکیزگی سے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ایسے احکام واصول بیان فرمائے ہیں جنھیں آپؐ نے فطری قرار دیا ہے۔ روایت حضرت عائشہ صدیقہ کی ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم عشرٌ من الفطرۃ قصّ

---

[1] بخاری شریف (مترجم) ج اول ص ۱۴۴
[2] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج اول، کتاب الطہارت ص ۷۷۔
[3] ایضاً ص ۸۰

الشارب واعفاءُ اللحية والسواك واستنشاق الماءِ وقص الاظفار وغسل البراجم ونتفُ الابط وحلق العانة و انتقاص الماءِ يعنی الاستنجا قال الراوی ونسیت العاشرة الاّ ان تکون المضمضة [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس چیزیں فطرت سے ہیں۔ لبوں کو تراشنا داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، ناخن کٹوانا، انگلیوں کے جوڑوں کا دھونا۔ بغل کے بال دور کرنا، زیر ناف بال مونڈنا، استنجا میں تھوڑا پانی خرچ کرنا راوی کا بیان ہے کہ میں دسویں بات بھول گیا ہوں شاید کلی کرنا ہو۔

اسلام چودہ سو برس سے دانتوں کی صفائی اور مضبوطی پر زور دیتا چلا آرہا ہے اور اسے عبادت شمار کرتا ہے لیکن طب جدید نے اب تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ دانتوں کی بیماریاں تندرستی کے لیے بہت مضرت رساں ثابت ہو رہی ہیں اور دانتوں کی صفائی صحت اور مضبوطی کا بہترین نسخہ مسواک کرنا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مسواک کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حسنہ اور اسلامی ثقافت کے لوازمات میں سے ہے اس کی تائید میں مندرجہ ذیل احادیث پیش کی جاتی ہیں:

قال رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لولا اَن اشقّ علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃٍ [2]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر مشقت ڈالنے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

عن عائشۃ اَنّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم کان لایرقد من لیلٍ ولا نھار فیستیقظ الاّ یتسوّک قبل ان یتوضا [3]

---

[1] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج اول، کتاب الطہارت ص ۹۴۔

[2] جامع ترمذی (مترجم) باب ما جاء فی السواک، ج اول ص ۴۲، مطبع سعید قرآن محل کراچی۔

[3] سنن ابی داؤد شریف (مترجم) ج اول ص ۵۸، مطبع سعیدی کراچی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات اور دن میں جب سو کر اٹھتے تو وضو کرنے سے پہلے مسواک کرتے۔

مسواک کی فضیلت سے متعلق حضور پاک کا ایک اور ارشاد ہے جس سے اس کی اہمیت واضح اور عیاں ہو جاتی ہے۔

السواك مطهرة للفم مرضاة للرب [۱]

مسواک منہ کی پاکیزہ اور اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے۔

د۔ **مجلس کے آداب:** اسلام نے نشست و برخاست کے آداب سکھائے ہیں تاکہ مجلس میں تہذیب اور محبت کی فضا پیدا ہو۔ یہ بات فطرت انسانی اور روح اسلام دونوں کو سخت ناپسند ہے کہ کچھ لوگ مجلس میں سرگوشیاں کریں کیونکہ اس حرکت سے انسان بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ط وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ [۲]

اے ایمان والو جب تم آپس میں سرگوشیاں کرنے لگو تو گناہ اور زیادتی اور پیغمبرؐ کی نافرمانی کی باتیں نہیں بلکہ نیکی اور تقوی کی باتیں کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تمہیں محشر میں پیش ہونا ہے۔ سرگوشی تو شیطانی حرکت ہے تاکہ ایمان والے لوگ رنجیدہ ہوں حالانکہ اذن الہی کے بغیر وہ انھیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی اور مومنوں کو تو اللہ تعالیٰ

---

[۱] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج اول ص ۹۳، مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

[۲] سورۃ المجادلۃ۔ ۹ - ۱۰۔

[۳] صحیح بخاری شریف، ج سوم ص ۴۵۹ مطبع سعیدی قرآن محل کراچی۔

پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آداب مجلس سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

عن عبد اللہؓ انّ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قال اذا کانوا ثلاثۃ فلا یتناجیٰ اثنان دون الثالث [۱]

حضرت عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم تین ہو تو دو اشخاص آپس میں تیسرے کو چھوڑ کر کانا پھوسی نہ کریں۔

مجلس میں بعد میں آنے والوں کے لیے جگہ مہیا کرنا اسلام کے آداب مجلس میں سے ہے۔ کوئی شخص زبردستی لوگوں میں گھس کر بیٹھنے یا کسی کو اٹھا کر خود اس کی کوشش نہ کرے اگر مجلس میں مزید لوگوں کے لیے گنجائش نہ ہو تو جن لوگوں کو امیر مجلس اُٹھ جانے کے لیے کہے تو حاضرین مجلس پر ضروری ہے کہ وہ اس پر عمل کریں۔ قرآن کریم کی ہدایات یہ ہیں:

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا [۲]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تمہیں کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو تو کھل جایا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں فراخی دے اور جب کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو۔

اس سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

لایجلسُ بین رجلین الّا باذنھما [۳]

کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر گھس جائے۔

عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی ان یقام الرّجلُ مِن مجلسہٖ ویجلس فیہ اٰخرُ ولٰکن تفسّحُوا وتوسّعُوا [۴]

---

[۱] صحیح بخاری شریف، ج سوم ص ۴۵۹، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی۔

[۲] سورۃ المجادلۃ: ۱۱

[۳] سُنن ابی داؤد شریف (مترجم) ج سوم ص ۵۴۳

[۴] صحیح بخاری شریف (مترجم) ج سوم ص ۴۵۳

ابن عمرؓ نے روایت کی ہے آپؐ کا ارشاد ہے کوئی شخص کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ لے بلکہ تم لوگ خود دوسروں کے لیے جگہ کشادہ کرو۔

مجلس کے آداب کے متعلق اسلام نے جو اصول دیے ہیں نہایت سادہ اور اہمیت کے حامل ہیں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مجلس میں فراخی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ سرگوشی نہیں کرنی چاہیے اور ناشائستہ افعال و حرکات سے اجتناب کرنا چاہیے۔

مسجد کی اہمیت اور اس کے آداب

مسجد در اصل اس مقام کو کہتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کو معبود مان کر اس کے حضور سجدہ کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں مسجد ایک عبادت گاہ کا نام ہے اس لفظ کے عبادت گاہ ہونے کی تائید میں خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ[1]

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے سے زور نہ گھٹواتا رہتا تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت گاہیں اور یہودیوں کی عبادت گاہیں اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے۔ منہدم ہو گئے ہوتے۔

مسجد ہر مسلمان کی زندگی کی اہم ترین جگہ ہے یہ نہ صرف ایک معبد کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ دنیائے اسلام کا ایسا مرکز ہے جہاں مسلمان مذہبی فرائض ادا کرنے کے بعد اپنے تمام تر معاشرتی و سیاسی مسائل کو حل کرا اور باہمی تعاون سے حل کرنے کے لیے دن میں پانچ بار جمع ہوتے ہیں چنانچہ مسجد مسلمانوں کے لیے ایک مرکز کا مقام حاصل ہے۔

دنیا میں عہد اسلامی کی سب سے پہلی مسجد "مسجد قبا" تھی۔ مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے حضورؐ اسی مسجد میں نماز ادا کرتے تھے۔ چونکہ آپؐ نے ورود مدینہ کے بعد اولین فرصت میں مسجد تعمیر کی اس لیے مسلمانوں پر مسجد کی اہمیت اور بھی واضح ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے سب سے پہلے

---

[1] سورۃ الحج : ۴۰

جو گھر بنایا اس کو بھی لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کا مرکز بنا دیا اور اس کو مبارک قرار دیا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ[۱]

بے شک لوگوں کے لیے سب سے پہلا گھر جو تعمیر کیا گیا وہ مکہ میں ہے وہ برکت والا ہے۔ اور پوری دنیا کے لوگوں کے لیے ہدایت و راہنمائی کا موجب ہے ۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد تعلیم و تعلّم کی سرگرمیوں کا آغاز مسجد سے کیا آپؐ نے اسلامی نظریۂ حیات کی تعلیم، ان تعلیمات کا عملی سبق سکھانے اور ان بنیادوں کو واضح کرنے کے لیے جن پر اسلامی ریاست کو قائم کیا گیا تھا، مسجد کو اپنی تمام سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ آپؐ نے تمام مسلمانوں پر جماعت سے نماز ادا کرنا لازم کیا تاکہ ایک طرف تو مسلمان مساوات، اخوت، تعاون اور نظم و اطاعت کا عملی سبق سیکھیں اور دوسری طرف جمعہ اور دیگر مواقع پر خطبات کے ذریعے دین و دنیا کی تعلیم دی جا سکے۔ مسجد نبویؐ میں بڑے پیمانے پر تعلیم و تربیت کے انتظامات کے سلسلے میں مسجد سے ملحق صفّہ کسی طور پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مدینہ تشریف آوری کے بعد سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تھی اور اسی کے ساتھ صفّہ یا چبوترہ تعمیر کیا گیا تھا۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ صاحب صفّہ کو اولین اسلامی اقامتی جامعہ کہا جا سکتا ہے[۲]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دورِ رسالت میں تمام اہم اور ضروری مسائل کا تصفیہ مسجد ہی میں فرمایا کرتے تھے اس طرح باہر کے ممالک سے جو وفود آپؐ کی زیارت کے لیے آتے تو انہیں مسجد ہی میں باریابی دیا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین کے دور میں جنگی منصوبہ بندی اور میدان جنگ میں افواج کی کارکردگی کے اعلانات بھی کیے جاتے تھے۔ اسی طرح ان خلفائے راشدین کی طرف سے لوگوں کی بیعت کے اعلانات بھی مسجد سے کیے جاتے تھے۔ تمام فتاویٰ اور مقدمات کے فیصلوں کا اعلان بھی مسجد سے ہی جاری کیا جاتا تھا۔ ان حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ مسجد مسلمانوں کے لیے مذہبی،

۱؎ سورۃ آل عمران : ۹۶

۲؎ حمید اللہ، ڈاکٹر، الصحیفۃ الصحیحۃ موسوم بہ صحیفہ ہمام بن منبّہ (پیغمبر اسلام کی تعلیمی سیاست) ص ۱۸

معاشرتی اور سیاسی مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔
مسجد اسلامی ثقافت کا سب سے بڑا مظہر ہے یہاں پر فرد کو اپنا مقام دکھائی دیتا ہے اس کی ملاقات خالقِ حقیقی سے ہوتی ہے اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی تعمیر کرنے والے فرد کے لیے یہ خوشخبری بیان فرمائی :

من بنیٰ لِلّٰہِ مَسْجِدًا بنی اللہ لہٗ بَیتًا فِی الجنّۃ [1]

جو شخص اللہ تعالیٰ (کی خوشنودی) کے لیے مسجد بنائے گا تو خدائے تعالیٰ اس کے صلے میں اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

مسجد خدا کا گھر ہے۔ مسجد عبادت گاہ ہے۔ مسجد میں دینی اور روحانی اسباق دیے جاتے ہیں اور مسجد پوری دنیا میں پاکیزہ ترین مقامات میں سے ایک مقام ہے اس لیے خدا کے اس پاکیزہ اور مقدس گھر میں جانے کے لیے کچھ آداب کا بجا لانا ازبس ضروری ہے۔ سب سے پہلے مسجد کی عظمت و تقدس کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب وہ مسجد میں داخل ہو وہ ہر لحاظ سے پاکیزہ ہو اس کا جسم اور کپڑے پاک ہوں اور اس کی نیت بھی صاف ہو۔ پاکیزگی و طہارت روحانیت میں طمانیت پیدا کرتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی ادائیگی کے لیے بالعموم مسجد میں جایا کرتے تھے۔ خداوند عالم حضورؐ کو نماز ادا کرنے کے لیے بعض اوقات خود بیدار کرنے کے لیے ارشاد فرمایا تھا جس کا واضح ثبوت قرآن مجید کی یہ آیات مبارکہ ہیں۔

یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ • قُمْ فَاَنْذِرْ • وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ • وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ • والرُّجْزَ فَاھْجُرْ [2]

اے چادر اوڑھنے والے پیارے رسول اٹھ اور اپنے رب کی عظمت بیان کر اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور ناپاکی سے دُور رہ۔

مسجد کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی کوئی بدبودار چیز کھا کر نہ جائے کیونکہ اس سے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح (مترجم) ج اوّل، باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ ص ۱۵۰، مکتبہ رحمانیہ لاہور۔
[2] سورۃ المدثر : ۱ ـ ۵ ۔

دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

عن معاویۃ بن قرۃ عن ابیہ انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نھٰی عن ھاتین الشجرتین یعنی البصلَ والثومَ وقالَ من اکلھما فلا یقربن مسجدنا وقال ان کنتم لابُدَّ اکلیھما فامیتوھما طبخًا [۱]

حضرت معاویہ بن قرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو سبزیوں کے کھانے سے منع فرمایا یعنی پیاز اور لہسن سے اور فرمایا کہ انھیں کھا کر کوئی شخص ہماری مسجدوں کے قریب ہرگز نہ آئے اور فرمایا کہ اگر کھانا ہی چاہتے ہو تو پکا کر ان کی بُو دُور کر لیا کرو۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کی بُو ناپسند ہو اس حکم میں داخل ہے خواہ وہ کھانے والی چیزوں میں سے ہو یا نہ ہو [۲]

مسجد کو صاف ستھرا رکھنا بھی مسجد کے آداب میں سے ہے مسجد کے احاطہ میں کسی قسم کی غلاظت پھیلانا سخت منع ہے یہاں تک کہ تھوکنے کی بھی اجازت نہیں۔ جناب نبی کریم صلعم نے مسجد میں تھوکنے کو بے حد ناگوار جانا ہے۔

آپؐ کا ارشاد ہے :

البزاق فی المسجد خطیئۃ وکفارتھا دفنھا [۳]

مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اُس کو دفن کر دیا جائے۔

ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے مسجدوں کو صاف اور معطّر رکھنے کی یوں تلقین فرمائی :

عن عائشۃ قالت امر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ببناء

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح (مترجم) ج اوّل ص ۱۵۷

[۲] اشعۃ اللمعات ج اوّل ص ۳۲۸

[۳] جامع ترمذی شریف (مترجم) ج اوّل، باب فی کراھیۃ البزاق فی المسجد ص ۲۰۷ مطبع سعیدی قرآن محل کراچی۔

المساجد فی الدور وان تنظف وتطیب[1]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں یا محلوں میں بھی مسجدوں کی تعمیر کرنے اور صفائی رکھنے اور خوشبو سے بسائے رکھنے کا حکم دیا۔

مسجد کی صفائی کرنے والے افراد کو اللہ کی طرف سے بہت ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ حضورؐ کا ارشادِ پاک ہے:

عرضت علیّ اجور امتی حتی القذاۃ یخرجھا الرجل من المسجد[2]

میری امت کے ثواب مجھے دکھائے گئے (ان میں سے) خس وخاشاک (کا بھی) تھا جو آدمی مسجد سے نکالتا ہے۔

مسجد امت مسلمہ کے لیے ایک مرکز کی حیثیت رکھتی ہے جس میں دینی، مذہبی، معاشرتی اور سیاسی مسائل کو حل کرنے کے لیے تدابیر کی جا سکتی ہیں۔ مسجد ایک بہترین تعلیمی مرکز ہوتی ہے اور اسلام کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ مسجد سے ملحقہ تعلیمی اداروں نے اس قدر ترقی کی کہ بعض ادارے دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں میں شمار ہونے لگے۔ علوم وفنون اور افکار واذکار کی وجہ سے تحقیق وتنقید کو زیادہ سے زیادہ صحت وتوانائی ملی۔ مسلم مفکرین اسی مسجد کی وساطت سے اس قابل ہوئے کہ وہ دنیا کے دیگر ادیان کے مبلغین کے سامنے نبرد آزما ہو سکیں اسی لیے حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا:

احبّ البلاد الی اللہ مساجدھا وابغض البلاد الی اللہ اسواقھا[3]

اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام آبادیوں میں محبوب ترین جگہیں اس کی مسجدیں ہیں اور

---

[1] سنن ابی داؤد شریف (مترجم) ج اوّل، باب اتخاذ المساجد فی الدور ص ۲۰۰ مطبع سعیدی کراچی

[2] ایضاً ص ۲۰۲

[3] مشکوٰۃ المصابیح (مترجم) ج اول، باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ ص ۱۵۰، مکتبہ رحمانیہ لاہور

بدترین مقامات بازار ہیں

ن۔ **آداب طعام و اطعام** : ہر حیاتیاتی وجود کی بقا اور نشوونما کے لیے غذا ایک ناگزیر حاجت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواس، عقل و فکر کے علاوہ جمالیاتی ذوق بھی عطا کیا ہے اور ان عطیات رحمانی نے انسان کو مہذب بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ثقافت کا ایک معیار پاکیزہ غذا اور آداب خورد و نوش ہے۔ قرآن مجید نے آداب طعام و اطعام کا بنیادی اصول یہ بتایا ہے کہ ماکولات و مشروبات کا حلال و طیب ہونا ضروری ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ط قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ لا وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ[1]

(اے نبیؐ) آپ سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں اُن کے لیے حلال ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ سب طیب چیزیں تم پر حلال ہیں اور وہ (شکار) بھی حلال ہے جو تمہارے لیے ان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جن کو تم نے سدھا رکھا ہو اور جس (طریق) سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں (شکار کرنا) سکھایا ہے (اس طریق سے) تم نے ان کو سکھایا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لیے پکڑ رکھیں اسے کھا لیا کرو (اور شکاری جانوروں کے چھوڑتے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

دوسری جگہ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ

---

[1] سورۃ المائدہ : ۴

بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [۱]

اے ایمان والو وہ تمام پاکیزہ چیزیں بے کھٹکے کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری غذا کے لیے مہیا کر دی ہیں اور اس کا شکر ادا کرو اگر تم اُسی ہی کی عبادت کرنے والے ہو۔ بے شک تم پر جو چیزیں حرام کر دی ہیں وہ تو صرف یہ ہیں کہ مردار جانور، حیوانوں کا خون سور کا گوشت اور وہ (جانور) جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری ہستی کے نام پر پکارتے جائیں۔ البتہ اگر ایسی حالت پیش آجائے کہ ایک آدمی (حلال غذا نہ مل سکنے کی وجہ سے) بہ حالت مجبوری کھالے (بشرطیکہ) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے اور حد سے باہر نہ نکل جائے اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے۔

یہ اُصول صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ تمام افرادِ نسلِ انسانی کے لیے ہے کہ اسلام دینِ فطرتِ انسانی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ [۲]

اے افرادِ نسلِ انسانی جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اسلام نے خورد و نوش کا معیار یہ قائم کیا ہے کہ جو چیزیں طیب ہیں وہ حلال کی گئی ہیں اور جو خبیث ہیں انھیں حرام کر دیا گیا ہے۔ اگر اصول طعام یہ ہے کہ طیب چیزیں ہی حلال ہیں تو اصولِ اطعام یہ ہوا کہ طیب چیزیں ہی دوسروں کو کھلائی اور راہِ خدا میں خرچ کرنی چاہئیں۔ اسلام کے اس اصول طعام و اطعام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس معاشرے کے افراد بالخصوص جائز طریقے سے روزی کمائیں، حلال و طیب کھائیں اور کھلائیں نیز ان کی ثقافت ہر اعتبار سے پاکیزہ رہے۔

اسلام کی ایک امتیازی خوبی تو اس کے اصول طعام و اطعام ہیں اور دوسری امتیازی خوبی اس

---

[۱] سورۃ البقرہ: ۱۷۲ - ۱۷۳

[۲] سورۃ البقرہ: ۱۶۸

کے آدابِ خورد و نوش ہیں چنانچہ اسلامی ثقافت کی روح توحید ہے اس لیے آدابِ خورد و نوش کی روح بھی توحید ہے لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ جب کوئی کام کرنے یا کوئی چیز کھانے پینے لگے تو بسم اللہ کہے۔ کھانے سے پہلے ہاتھ کا دھونا لازمۂ اسلامی ثقافت اور سنتِ حسنہ ہے جس کی دلیل یہ حدیث نبویؐ ہے: حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا کہ کھانے کی برکت کا سبب کھانے کے بعد وضو کرنا ہے میں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا:

برکۃ الطعام الوضوء قبلہٗ والوضوء بعدہٗ [1]

یعنی کھانے کی برکت کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد وضو کرنا ہے۔

محدثین کے نزدیک وضو سے یہاں مراد ہاتھوں کا دھونا ہے۔

ہر کام کرنے خصوصاً کوئی چیز کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ کہنا اسلامی ثقافت کی ایک امتیازی خصوصیت اور اس کے آداب میں سے ہے وجہ یہ ہے کہ یہ آپؐ کی سنت حسنہ ہے۔ اسکے متعلق آپؐ کے چند ارشادات گرامی پیش کئے جاتے ہیں:

عن حذیفۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطان یستحلّ الطعام ان لا یُذکر اسم اللہِ علیہ [2]

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کھانے پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے تو شیطان اس کھانے کو اپنے لیے حلال قرار دیتا ہے۔

عَن عُمَرَ بن ابی سلمۃ قال کنت غلامًا فِی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت یدی تطیش فی الصحفۃِ فقال رسول اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم یا غلام سمِّ اللہ وکُل بِیَمِینِکَ وَکُلْ مما یلیک [3]

---

[1] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۳۰۲ ، مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

[2] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۲۹۶

[3] بخاری شریف (مترجم) ج سوم ص ۱۷۵

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش و تربیت میں تھا میرا ہاتھ تیزی سے رکابی کی طرف بڑھتا (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا بسم اللہ کہہ اور داہنے ہاتھ سے کھا اور اپنے قریب سے کھا۔

ظہور اسلام سے پہلے تکیہ لگا کر کھانا کھانے کو امارت و کبریائی کی علامت سمجھا جاتا آپ نے اس قبیح رسم اور متکبرانہ روش کے قلع قمع کے لیے کبھی تکیہ لگا کر کھانا نہ کھایا۔ حضرت ابی جحیفہ رضؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّی لا اکل متکئًا [1]

میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا ہوں۔

کم خوری بھی اسلامی ثقافت کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ اسلام بسیار خوری کو اسکی جسمانی، اخلاقی اور روحانی مضرتوں کی وجہ سے ناپسند کرتا ہے اور کم خوری کی تلقین کرتا ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضؓ قال ما عاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعامًا قط ان اشتھاہٗ اکلہٗ وان کرھہ ترکہٗ [2]

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کو بُرا نہ کہا اور نہ ہی بُرا سمجھا اگر بھوک ہوتی تو کھا لیتے بھوک نہ ہوتی نہ کھاتے۔

پیغمبرِ خدا نے حکیمانہ و بلیغ انداز میں کم خوری کی تلقین فرمائی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں:

قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعام الاثنین کافی الثلاثۃ وطعام الثلاثۃ کافی الاربعۃ [3]

---

[1] بخاری شریف (مترجم) ج سوم ص ۱۸۱

[2] ایضاً ص ۱۸۵

[3] ایضاً ص ۱۸۰

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لیے کافی ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لیے کافی ہے۔ اسلام انسان کو ہاتھ سے کھانے کی تلقین کرتا ہے۔ ہاتھ سے کھانا بھی حضورؐ کی سنت حسنہ اور اسلامی ثقافت کے آداب میں سے ہے۔

جمالیاتی لحاظ سے انسان قدرت کا حسین شاہکار ہے، حسن، نزاکت، لطافت اور لچک میں اس کے ہاتھ کی انگلیوں کا مقابلہ چھُری کانٹے نہیں کر سکتے اس لیے اسلام انسان کو ہاتھ سے کھانے کی تلقین کرتا ہے۔ حدیث نبویؐ ہے:

عن جابرؓ ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم اَمَرَ بلعقِ الاصابع والصحفۃِ وَقال انکم لاتدرون فی اَیۃ البرکۃ [1]

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں اور رکابی کو چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ کس نوالے میں برکت ہے۔

عن کعبؓ بن جابر انّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم یاکُلُ بثلثۃ اصابع ویلعق یدہٗ قبل ان یمسحھا [2]

حضرت کعبؓ بن جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے اور ہاتھ دھونے سے پہلے انہیں چاٹ لیا کرتے تھے۔

خادموں اور نوکروں کو اپنے سامنے ساتھ کھلانا بھی حضور اکرمؐ کی سنت حسنہ ہے آپؐ کا ارشاد ہے:

اذا اتی احدکم خادمہٗ بطعامہ فان لَمْ یجلسہٗ معہ فلینادلہ الکلۃ او اکلتین او لقمۃ او لقمتین فانّہٗ ولی حرّہٗ وعلاجہٗ [3]

اگر تم میں سے کسی شخص کے پاس اس کا خادم کھانا لے کر آئے اور وہ اس کو اپنے ساتھ

---

[1] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۲۹۷

[2] ایضاً

[3] بخاری شریف (مترجم) ج سوم ۱۹۹

نہ بٹھلائے تو اس کو ایک یا دو لقمہ دے دے اس لیے کہ اس نے گرمی اور اس کی تیاری کی مشقت برداشت کی ہے۔

ماکولات و مشروبات اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہیں لہٰذا کھانا کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا اور شکر بجالانا آدابِ ثقافت اسلامی سے ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے:

الحمد لِلّٰهِ الّذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین [۱]

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

س ۔ **آدابِ مشروبات**: اسلام چونکہ دنیا میں ایک معتدل و متوازن معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے اس لیے وہ کسی ایسے کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا جس سے اس کے توازن و اعتدال کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو چنانچہ اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر طلائی و نقرئی ظروف میں کھانے پینے کی ممانعت کر دی ہے۔ حدیث نبویؐ ہے:

لا تشربوا فی انیة الذهب والفضة ولا تلبسوا الحریر والدیباج فانها لهم فی الدنیا ولكم فی الاخرة [۲]

سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیو اور حریر و دیباج نہ پہنو اس لیے کہ یہ دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔

یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال سے معاشرے میں اکتناز و تکاثر، کبر و غرور، نمود و نمائش اور اسراف و تبذیر کے جذبات پرورش پاتے ہیں اس کا نتیجہ خود پرستی کی صورت میں نکلتا ہے۔ خود پرستی انسان کو اس کے حقیقی مقام عبودیت سے گرا کر اسفل السافلین میں پہنچا دیتی ہے۔ اسلام نے ہمیں مشروبات پینے کے آداب بھی سکھائے ہیں اور یہ بھی اسلامی ثقافت کی ایک امتیازی

---

[۱] سنن ابی داؤد (مترجم) ج سوم ص ۱۸۳

[۲] بخاری شریف (مترجم) ج سوم ص ۲۵۲

خصوصیت ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پانی ایک ہی سانس میں نہیں پینا چاہیے بلکہ تین مرتبہ دم لے کر پینا چاہیے ۔

عن انسؓ قال کان رسُول اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلّم یتنفسُ فی الشراب ثلٰثًا (متفق علیہ) وزادمسلمٌ فی روایۃٍ ویقول انہٗ اروٰی وابرءُ وامرءُ [1]

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے کے درمیان تین مرتبہ سانس لیتے تھے مسلم نے ایک روایت میں زیادہ کیا اور آپ فرماتے ہیں اس طرح پینا خوب سیراب کرتا ہے اور صحت بخشتا ہے ۔

عن ابن عباسؓ انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم نھٰی ان یتنفسَ فی الاناء اوینفخ فیہ [2]

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے ۔

اسلام ہمیں یہ بھی ہدایت کرتا ہے کہ مشروبات بیٹھ کر نوش کی جائیں ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا :

لایشربن احدٌ منکم قائمًا فمن نسِیَ فلیستقی [3]

تم میں سے کوئی شخص کھڑا ہو کر پانی نہ پیئے جو شخص بھول جائے اُسے قے کر دینی چاہیے ۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ جب بھول کر پینے میں قے کرنے کا حکم ہے تو قصدًا پینے میں بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہو گا [4]

---

[1] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۳۱۵

[2] جامع ترمذی شریف (مترجم) ج اول ص ۸۱۰

[3] مشکوٰۃ شریف ج دوم ص ۳۱۶

[4] اشعۃ اللمعات ج سوم ص ۲۴۸

اسلامی ثقافت کے آداب میں سے ہے کہ جب کسی محفل میں مشروبات کا دور چلتا ہے تو ابتداء داہنی جانب سے ہوتی ہے یہ سنت نبوی ؐ ہے اور ارشاد نبوی ؐ بھی۔ حدیث یوں ہے:

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُتی بلبن قد شیب بماء وعن یمینہ اعرابیؓ وعن شمالہ ابوبکرؓ فشرب ثم اعطی الاعرابی وقال الایمن الایمن [1]

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ لایا گیا جس پانی ملایا گیا تھا۔ آپؐ کے دائیں طرف اعرابی اور بائیں طرف حضرت ابوبکرؓ تھے آپؐ نے اس کو پیا پھر اعرابی کو دیا اور فرمایا کہ پہلے دائیں طرف والا اس کے بعد اسکے دائیں طرف والا مستحق ہے۔

اسلامی ثقافت کے مفصلہ بالا معاشرتی آداب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام ہر لحاظ سے ایک حسین، فطری اور مثالی ثقافت کی داغ بیل ڈالنے اور اس کو پروان چڑھانے کی آرزو رکھتا ہے۔ اسلام کی یہ آرزو دراصل خود فطرت انسانی کی آرزو ہے۔

ص۔ **چلنے کے آداب**: اسلام میں اکڑ کر اور نخوت و رعونت سے چلنا منع ہے کیونکہ یہ چال کبر و غرور پر دلالت کرتی ہے۔

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینما رجلٌ یتبختر فی بُردین وقد اعجبتہ نفسہٗ خُسف بہ الارض فھو یتجلجل فیھا الی یوم القیٰمۃ [2]

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی دو دھاری دار کپڑوں میں تکبر سے چل رہا تھا اس کے نفس نے اس کو عجب میں ڈالا ہوا تھا اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا قیامت تک وہ اس میں دھنسایا جا رہا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری شریف (مترجم) ج سوم ص ۲۴۸۔

[2] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج سوم ص ۶۸۰۔

کبر و غرور اور نخوت و رعونت کسی صورت میں اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کیونکہ یہ قبیح خصلتیں ہیں اور اسلام تو انسان کو حسن خلق سے مزین دیکھنا چاہتا ہے قرآن مجید میں بھی غرور و تکبر سے چلنا ممنوع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ [1]

اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔

اسلام نے اپنے بندوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ زمین پر شریفانہ انداز اور متانت سے چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا [2]

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری اور دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب جاہل انھیں خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام۔ جنسی پاکیزگی کے پیش نظر اسلام نے عورتوں اور مردوں کو مل جل کر چلنے سے منع فرمایا ہے۔

عن ابن عمر انّ النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نھٰی ان یمشی یعنی الرجل بین المرأتین [3]

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو دو عورتوں کے درمیان چلنے سے منع فرمایا ہے۔

ط۔ اُٹھنے بیٹھنے کے آداب: اسلام جو ایک فعال وحسین معاشرہ انسانی قائم کرنے کی آرزو رکھتا ہے اس نے انسان کو زندگی کے تمام آداب حتیٰ کہ اُٹھنے بیٹھنے، لیٹنے اور سونے تک

---

[1] سورۃ لقمٰن: ۱۸

[2] سورۃ الفرقان: ۶۳

[3] سُنن ابی داؤد (مترجم) ج سوم ص ۶۸۰

سکھائے ہیں۔ میرے نزدیک بحیثیت دین یا ثقافت کے اسلام کی یہ ایک امتیازی جمالیاتی خصوصیت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایقیم الرجل الرجلَ من مجلسہٖ ثمّ یجلسُ فیہ [1]

کوئی شخص کسی کو اس کے بیٹھنے کی جگہ سے نہ اٹھائے پھر وہ اس جگہ پر بیٹھ جائے۔

عن ابی ھریرۃؓ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قام من مجلسہٖ ثمّ رجع الیہ فھو احق بہٖ [2]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی جگہ سے اُٹھ کر چلا جائے اور پھر واپس آئے تو وہ اپنی جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔

مجلس میں دو شخصوں کے درمیان بغیر ان کی اجازت و رضامندی کے بیٹھنا حُسنِ آداب اور شخص آزادی کے منافی ہے اس لیے اسلامی ثقافت میں ایسی حرکت مذموم و ممنوع ہے۔

حدیث نبویؐ ہے:

عن عبد اللہ بن عمرو انّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قالَ لایحلّ الرجل ان یفرق بین اثنین الّا باذنھما [3]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا دو بیٹھے ہوئے آدمیوں کے درمیان جدائی ڈالنا یعنی ان کے درمیان گھس کر بیٹھ جانا جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ اسے ایسا کرنے کی اجازت دے دیں۔

ع۔ **سفر کے آداب**: سفر انسان کی ایک لازمی ضرورت ہے چنانچہ اُسے تجارتی، سیاسی اور ثقافتی ضروریات وغیرہ کے لیے سفر کرنا ہی پڑتا ہے۔ لہذا اسلام نے انسان کو سفر کے آداب بھی سکھائے ہیں اور یہ آداب ہمیں حضورؐ کے اسوۂ حسنہ سے ملتے ہیں حضورؐ نے جس زمانہ میں سفر

---

[1] بخاری شریف (مترجم) ج سوم ص ۴۵۳۔

[2] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۴۹۷۔

[3] جامع ترمذی شریف (مترجم) ج دوم ص ۲۷۶، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی۔

فرمایا اُس وقت کے حالات اِس زمانہ کے حالات سے مختلف ہیں اس کے باوجود سفر کے لیے آپؐ کی طرف سے جاری ہونے والی ہدایات آج بھی اسی طرح مفید ہیں جس طرح کل تھیں اور یہ ہدایات کتب حدیث میں محفوظ ہیں۔ حدیث نبویؐ ہے۔

عن ابی سعیدؓ الخدری قال بینما نحن فی سفرٍ مع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم من کان معہ فضل ظھرٍ فلیعد بہٖ علی من لاظھر لہ ومَنْ کان لہ فضلُ زادٍ فلیعد بہٖ علی من لازاد لہٗ قال فذکر من اصناف المال حتّٰی رَأینا انّہٗ لاحقّ لاحدٍ منا فی فضلٍ لہ

حضرت ابوسعیدؓ خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے ساتھ ہم سفر میں تھے کہ ایک شخص اونٹ پر آیا اور اونٹ کو دائیں بائیں پھیرنا شروع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس ایک سواری سے زائد ہو وہ اُسے دے دے جس کے سواری نہیں ہے جس شخص کے پاس زائد زاد راہ ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس توشہ نہیں ہے اس کے بعد آپؐ نے اموال کی اقسام بیان کرنا شروع کیں یہاں تک کہ ہمیں یقین ہو گیا کہ کسی شخص کو ضرورت سے زائد کوئی چیز رکھنے کا حق نہیں ہے۔

حضورؐ کے بتائے ہوئے آداب سفر میں سے ایک ادب یہ ہے کہ اپنی واپسی کی اطلاع اہل خانہ کو پہلے کر دی جائے۔ حدیث نبویؐ یوں ہے:

عن جابرؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا طال احدکم الغیبۃ فلا یطرق اھلہ لیلاً ۲؎

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی ایک کا غائب رہنا لمبا ہو جائے تو وہ رات کو اپنے گھر نہ آئے۔

۱؎ مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۲۳۲، مکتبہ رحمانیہ لاہور

۲؎ ایضاً ص ۲۳۳

سفر دُور کا ہو یا نزدیک کا، اصولِ مواخات و مساوات کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص راستے میں بغیر سواری کے ہے اپنی سواری پر بٹھانا نیز اس کے حق میں دُعا کرنا آدابِ سفر میں سے ہے اور آپؐ کی سنت حسنہ بھی ہے۔ حدیث نبویؐ ہے:

عن جابرؓ قال کان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یتخلّف فی المسیر فیزجی الضعیف ویردف ویدعو لھم[1]

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں پیچھے چلا کرتے تھے تاکہ کمزور سواری کو ہنکائیں اور جو شخص پیادہ پا ہو اسے اپنی سواری پر بٹھائیں اور ان کے لیے دُعا کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث مبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپؐ نے اصول مواخات و مساوات کی بنا پر یہ زریں اور سنہری سفری آداب بنائے ہیں تاکہ اسلامی معاشرہ میں محبت و ہمدردی اور خدمت کا جذبہ پروان چڑھے۔

ص۔ **آدابِ غم و مسرّت**: انسان جب خوشی کے موقع پر حدِ اعتدال سے بڑھ جاتا ہے تو غرور اور نخوت کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرتا ہے اور اپنے آپ کو تباہ و برباد کر لیتا ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے مسرّت کے موقع پر حدِ اعتدال پر رہنے کی تعلیم دی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ[2]

اور اس پر نہ اتراؤ جو تمہیں اللہ نے دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی متکبر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ جب کوئی خوشی پہنچے تو زور سے ہنسنا اور قہقہے نہیں لگانا چاہیے بلکہ تبسّم اور مسکرانا چاہیے تبسّم اور مسکرانا حضور اکرمؐ کی سنت حسنہ ہے۔ اس کی دلیل حضور اکرمؐ کی یہ حدیث پاک ہے:

---

[1] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۲۳۵

[2] سورۃ الحدید: ۲۳

عن عبد اللہ بن الحارث بن جزءؓ قال مارایتُ احداً اکثر تبسمًا مِن رسُول اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم [1]

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء سے روایت ہے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا۔

اسلام نے جہاں خوشی کے آداب سکھائے ہیں وہاں غمی کے آداب بھی پیش کیے ہیں۔ اسلام کا حکم ہے کہ جب کوئی غم یا مصیبت آجائے تو صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ غم کے موقع پر رونا تو جائز ہے لیکن نوحہ کرنا بال کھولنا اور گریبان پھاڑنا سخت ممنوع ہے۔ حدیث نبویؐ ہے:

انّ اللہ لایعذب بدمع العین ولا بحزن القلب ولکن یعذب بھذا واشار الی لِسانِہٖ اَوْیرحمُ [2]

اللہ تعالیٰ آنسو بہانے اور دل کے غم ناک ہونے پر عذاب میں گرفتار نہیں فرماتا لیکن زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی وجہ سے عذاب دے گا یا رحم فرمائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث جس میں غم کے موقع پر چہرہ پیٹنا، گریبان چاک کرنا اور زور سے آواز نکالنا منع ہے یوں ہے:

لیس منا من لطم الخدود وشق الجیوب وَدعا بدعوی الجاھلیۃ [3]

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے اپنے چہرے کو پیٹا اور گریباں کو چاک کیا اور جاہلیت کی پکار پکاری۔

جہاں اسلام نے میت پر یا غم کے دوسرے مواقع پر نوحہ کرنے، چہرہ پیٹنے اور گریبان چاک

---

[1] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۴۰۶

[2] بخاری شریف (مترجم) ج اول ص ۴۹۶

[3] بخاری شریف (مترجم) ج اول ص ۴۹۲، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

کرنے سے منع فرمایا ہے وہاں اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ اہل میت سے تعزیت کے لیے کھانا بھی بھجوائیں ۔

عن عبد اللّٰہ بن جعفر قال لمّا جاء نعی جعفر قال النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اصنعوا لاھل جعفر طعامًا فانہ جاءھم مایشغلھم [1]

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے فرمایا کہ جب حضرت جعفر کی شہادت کی خبر آئی تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو اس لیے کہ ان کو وہ مصیبت پہنچی ہے جو انھیں کھانا پکانے سے باز رکھے گی ۔

اس حدیث کے تحت حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی فرماتے ہیں کہ رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوستوں کو میت کے گھر پکا ہوا کھانا لانا مستحب ہے [2]

اہل میت کے گھر کھانا بھجوانا اور اُن سے تعزیت کرنا اسلامی ثقافت کی نمایاں خصوصیت ہے کیونکہ یہ بھی ہمدردی کا کام ہے لیکن غم یا مصیبت کے وقت گریبان پھاڑنا، منہ نوچنا، بال کھولنا، سر پر مٹی ڈالنا، ران پر ہاتھ مارنا اور سینہ کوٹنا سب جاہلیت کے کام ہیں اور شرع اسلامی میں ناجائز ہیں [3]

میت کے گھر والے تیجہ کے دن یا اس کے بعد میت کے ایصال ثواب کے لیے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلائیں تو بہتر ہے لیکن دوست احباب اور عام مسلمانوں کی دعوت کریں تو ناجائز و بدعت قبیحہ ہے کہ دعوت تو خوشی کے وقت مشروع ہے نہ کہ غم کے وقت فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

لایباح اتخاذ الضیافۃ عند ثلاثۃ ایام کذا فی التتارخانیۃ [4]

---

[1] جامع ترمذی شریف (مترجم) ج اول ص ۴۷۰، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

[2] اشعۃ اللمعات ج اول

[3] فتاویٰ عالمگیری ج اول، مصری ص ۱۵۰

[4] ایضاً

ردالمحتار اور فتح القدیر میں ہے:

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من طعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ[1]

میرے نزدیک اسلامی ثقافت کی یہ ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ اس میں اٹھنے بیٹھنے، چلنے، سونے، خوشی اور غمی کھانے پینے، پاک وصاف رہنے اور ملاقات کرنے کے آداب اور طریقے ہماری معاشرتی زندگی کو حسین اور خوبصورت بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ط۔ **گفتگو کے آداب:** اسلام بذات خود ایک حُسن ہے اور حُسن کو پسند کرتا ہے اس لیے حُسن کا تقاضا ہے کہ ہماری زندگی کا ہر گوشہ حُسن و نزاکت کا بے مثال نمونہ ہو۔ اس لحاظ سے اسلام ہمیں ہدایت کرتا ہے کہ ہماری بول چال سلجھی ہوئی ہو گفتگو ہمیشہ نرمی سے کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو نرمی سے گفتگو کرنے کی ہدایت کی۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا[2] تم دونوں اس سے نرم بات کہنا۔

بات منصفانہ، سیدھی اور واضح ہونی چاہیے جس سے باہم لڑائی جھگڑا پیدا نہ ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا[3]

اے ایمان والو۔ خدا سے تقویٰ کرو اور سیدھی سادھی بات کرو۔

گفتگو وقار سے کرنی چاہیے اور حقیقت اور سچائی کی آئینہ دار ہو، مکر و فریب، تصنع و بناوٹ اور فریب کاری کی باتیں نہیں ہونی چاہئیں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ[4]

---

[1] ردالمحتار۔ ج اول ص ۶۲۹، فتح القدیر ج دوم ص ۱۰۲

[2] سورۃ طٰہٰ: ۴۴

[3] سورۃ الاحزاب: ۷۰

[4] سورۃ الحج: ۳۰

اور مکر و فریب کی بنائی جھوٹی باتوں سے بچو۔

بات ہمیشہ ٹھہر ٹھہر کر اور صاف الفاظ میں کرنی چاہیئے تاکہ سُننے والا بخوبی سمجھ سکے۔ حدیث نبوی ہے:

عن عائشة قالت كان كلامُ رسول الله صلى الله عليه وسلّم كلامًا فصلاً يفهمه كلُّ من سمعه [1]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھی طرح الگ الگ باتیں کرتے تھے اور ہر سُننے والا سمجھ لیتا تھا۔

كان في كلامِ رسول الله صلى الله عليه وسلّم ترتيلٌ او ترسيلٌ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف باتیں کرتے تھے۔

اسلامی ثقافت کی یہ امتیازی خوبی ہے کہ اس میں بات چیت کرنے تک کے احکام وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں دراصل اسلام ایک ایسا مثالی معاشرہ قائم کرتا ہے جو گفتار و کردار کے لحاظ سے پاکیزہ اور صاف ہو۔

ب۔ **اخلاقی حالتیں**: "خلق" نفس کی ایک ایسی کیفیت اور ہیئت راسخ کا نام ہے جس کی وجہ سے بسہولت اور فکر و توجہ کے بغیر نفس سے اعمال صادر ہوسکیں پس اگر یہ ہیئت اس طرح قائم ہے کہ اس سے عقل و شرع کی نظر میں اعمالِ حسنہ صادر ہوتے ہیں تو اس کا نام خلق حسن ہے اور اس سے غیر محمود افعال وجود میں آتے ہوں تو وہ خلق سیئہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ [3]

---

[1] سنن ابی داؤد مترجم ج سوم ص ۵۱۴

[2] ایضاً

[3] سورۃ جمعہ: ۲

اللہ وہ ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے وہ ان کے سامنے اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپؐ کی بعثت کی غرض و غایت لوگوں کو احکام قرآنی سمجھانا اور اخلاق کے زیور سے آراستہ کرنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس مقصد کی واضح نشاندہی فرمائی ہے۔ آپؐ نے اخلاق حسنہ پر بہت زور دیا ہے آپ کا ارشاد پاک ہے:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ [1]

میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں۔

اخلاق کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اخلاق حسنہ اور اخلاق شنیعہ۔ اخلاق حسنہ میں وہ تمام اعمال شامل ہیں جن کے ذریعے انسان کوشش کرتا ہے کہ اس کے بھائی بندوں کو فائدہ پہنچے اور معاشرہ صحیح خطوط پر ترقی کرے لیکن اس کے برعکس جو افعال صفات الٰہیہ کی مقتضیات کے خلاف ہوں وہ اخلاق شنیعہ یا رذائل اخلاق کہلاتے ہیں اگر اخلاق حسنہ یا اخلاق فاضلہ معاشرہ کی بہبود اور بھلائی کے ضامن ہیں تو اخلاق سیئہ معاشرے کے بگاڑ اور فساد کا موجب ہیں اسلیے اسلام اخلاق فاضلہ کو اپنانے کی ہدایت کرتا ہے اور اخلاق شنیعہ سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ اب اخلاق کی ان دو قسموں کا ذکر اجمالاً کیا جائے گا۔

اخلاقِ حسنہ

۱۔ **صدق**: صدق سب نیکیوں کی جڑ اور تمام بھلائیوں کی اصل ہے۔ قرآن مجید میں صدق پر بہت زور دیا گیا ہے [2]

قرآن مجید کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی صدق کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] کنز العمال ج دوم ص ۵

[2] قرآن پاک کی یہ آیات صدق کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں

۱۔ سورۃ المائدہ: ۱۱۹/۵ ۲۔ سورۃ التوبہ: ۱۱۹/۹ ۳۔ سورۃ الاحزاب: ۲۴/۳۳

ان الصدق يهدى الى البرّ وانّ البرّ يهدى الى الجنّة وانّ الرجل ليصدُق حتى يكون صديقا ؎۱

سچائی نیکی کی طرف اور نیکی جنت کی طرف ہدایت کرتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک وہ صدیق ہو جاتا ہے۔

اسلام کی یہ ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ افراد کو اخلاقِ حسنہ اپنانے کی تلقین کرتا ہے اور صدق کی وجہ سے انسان صدیق کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے اور یہی وہ مرتبہ ہے جو اسلامی ثقافت کو ممتاز کرتا ہے۔

۲۔ صبر: صبر کے لغوی معنی روکنا ہیں اصطلاح میں صبر کو اس لیے صبر کیا جاتا ہے کہ انسان دل کو گریہ وزاری سے زبان کو گلہ وشکوہ سے روک لیتا ہے۔ قرآن مجید میں صبر کے متعلق کافی ذکر آیا ہے ؎۲

حدیث نبویؐ میں مومن کی شان یوں بیان ہوئی ہے:

قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم عجبًا لأمر المؤمن ان امرهٗ کلّهٗ له خیرٌ ولیس ذالك لاحدٍ الّا للمؤمن ان اصابته سرّاء شکر فکان خیرًا لهٗ وان اصابته ضرّاءُ صبر فکان خیرًا لهٗ ؎۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کا معاملہ عجیب ہے کہ اس کے ہر کام میں بھلائی ہے اور یہ شرف مومن کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہے اگر اسے خوشی کا موقع نصیب ہو اور اس پر خدا تعالیٰ کا شکر بجا لائے تو اس میں اس کے لیے بہتری ہے اور اگر کبھی مصیبت پہنچے اور وہ اس پر صبر کرے تو اس میں بھی اس کے لیے بہتری ہے۔

؎۱ صحیح بخاری شریف (مترجم) ج سوم ص ۳۹۱، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

؎۲ قرآن پاک کی یہ آیات صبر کی تلقین کرتی ہیں

(۱)۔ سورۃ البقرہ : ۲/ ۴۵ (۲)۔ سورۃ آل عمران : ۳/۱۴۶۔۲۰۰ (۳)۔ سورۃ الاحقاف: ۴۶/۳۵

؎۳ مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۵۱۴، مکتبہ رحمانیہ لاہور

۳۔ حیا: حیا وہ ملکہ اور قوت ہے جو انسان کو بھلائی کی طرف لے جاتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے پس جس قدر انسان میں یہ ملکہ زیادہ ہوگا اتنا ہی اس سے زیادہ نیکیوں اور بھلائیوں کا صدور ہوگا جتنا یہ ملکہ کمزور اور کم ہوگا اتنے ہی اس سے زیادہ اعمال قبیحہ سرزد ہوں گے حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحیاء من الایمان والایمان فی الجنۃ والبذاء من الجفاء والجفاء فی النار[1]

حیا ایمان کا جزو ہے اور ایمان جنت میں لے جاتا ہے اور بے حیائی جفا میں سے ہے اور جفا دوزخ میں لے جانے والی برائی ہے۔

حیا اور ایمان کے تعلق کی نوعیت چولی دامن یا گاڑی کے دو پہیوں کی سی ہے کہ ایک نہ رہے تو دوسرا خود بخود بیکار و معطل ہو جاتا ہے۔ حضرت زید بن طلحہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّ لکلّ دینٍ خلقًا وخلق الاسلام الحیاء[2]

ہر دین کے لیے خلق ہے اور اسلام کا خلق حیا ہے۔

۴۔ احسان: حسن سے مشتق ہے جس کے معنی خوبی اور رعنائی کے ہیں۔ اسلام میں احسان حقوق اللہ اور حقوق العباد کو نہایت ہی خوبصورتی اور رعنائی کے ساتھ ادا کرنے پر بولا گیا ہے احسان کا لفظ بڑا ذومعنی ہے جب یہ الفاظ انسانوں کے لیے استعمال ہوگا تو اس سے مراد ہر وہ نیکی ہے جو شرعًا بنی نوع انسان سے کی جاتی ہے[3]

قَالَ رسُولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتکونوا امعۃً تقولون اِن اَحسنَ النّاسُ احسنا وَاِن ظلمُوا ظلمنا ولٰکن وطّنُوا

---

[1] جامع ترمذی شریف (مترجم) ج اول ص ۸۳۶، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

[2] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۳۰۰

[3] قرآن پاک کی یہ آیات احسان کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔

(۱)۔ سورۃ التوبہ: ۹/۱۲۰ (۲)۔ سورۃ النحل: ۱۶/۹۰ (۳)۔ سورۃ القصص: ۲۸/۷۷

انفسکم ان احسن الناس ان تحسنوا وان اساؤ فلا تظلموا[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم ہر شخص کی پیروی کرنے والے نہ بنو، یوں نہ کہو کہ اگر لوگ میرے ساتھ بھلائی کریں گے تو میں بھی کروں گا وہ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے بلکہ اپنے اندر وقار و تمکنت اور تحمل و بردباری پیدا کرو اگر لوگ احسان کریں تو احسان کرو اور اگر برا کریں تو تم ظلم نہ کرو۔

۵۔ امانت داری: امانت کا لفظ جامع ہے۔ یہ ان تمام امانتوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ نے یا معاشرے نے یا افراد نے کسی شخص کو سپرد کی ہوں استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں امانتداری کا ذکر کافی مواقع پر کیا گیا ہے[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت کے متعلق ارشاد فرمایا:

اذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ قال کیف اضاعتھا یارسول اللہ؟ قال اذا اسند الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ[3]

جب امانت ضائع ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ پوچھا اس کا ضائع ہونا کس طرح ہے یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ جب کام نااہل کے سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

۶۔ ایفائے عہد: ایفائے عہد زبان اور عمل کی سچائی کا نام ہے۔ قرآن مجید میں ایفائے عہد کی بہت تاکید کی گئی ہے[4]

---

[1] جامع ترمذی شریف (مترجم) ج اول ص ۸۴۶

[2] قرآن پاک کی ان آیات میں امانت و دیانت کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱)۔سورۃ البقرہ: ۲/۲۸۳ (۲)۔سورۃ الانفال: ۸/۲۷ (۳)۔سورۃ المومنون: ۲۳/۸

[3] صحیح بخاری شریف (مترجم) ج سوم ص ۵۲۶، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

[4] قرآن پاک کی یہ آیات ایفائے عہد پر زور دیتی ہیں۔

(۱) سورۃ بنی اسرائیل: ۱۷/۳۴ (۲)، سورۃ مریم: ۱۹/۵۴ (۳)، سورۃ المومنون: ۲۳/۸

یفائے عہد کی اہمیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے:

عن عبد اللہ بن ابی الحمساءِ قال بایعت النبیّ صلی اللہ علیہ ببیعٍ قبل ان یبعث وبقیت لہ بقیۃٌ فوعدتہٗ ان اتیہٖ بھا فی مکانہٖ فنسیت فذکرت بعد ثلاث فجئتُ فاذا ھُوَ فی مکانہٖ فقال یا فتیٰ لقد شققت علیَّ انا ھھُنَا منذ ثلاث انتظرک[1]

عبداللہ بن ابی الحمساء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت سے پہلے ایک چیز خریدی۔ اس کی کچھ قیمت میرے ذمہ رہ گئی تھی تو میں نے وعدہ کیا کہ میں یہاں آکر دوں گا پھر میں بھول گیا تین دن کے بعد مجھے یاد آیا میں گیا تو حضورؐ وہاں موجود ہیں آپؐ نے فرمایا اے جوان تو نے مجھے تکلیف دی ہے میں اسی جگہ تین دن سے تیرا انتظار کر رہا ہوں۔

۷۔ شُکر: اسلامی اصطلاح میں شکر سے مراد یہ ہے کہ کسی کی نیکی پر دل، زبان اور عمل سے پورا پورا اجر دیا جائے۔ عربی زبان میں شکر کے مقابل کفر کا لفظ ہے لیکن عام مفہوم میں کسی کی نیکی یا نعمت کی ناشکری پر بولا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے بھی شکر کے مقابل کفر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر شکر بجا لانا چاہیے[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک سے شُکر کی وضاحت ہو جاتی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اعطی عطاءً فوجد فلیجزبہٖ فاِن لم یجد فَلیُثن بِہٖ فمن اثنیٰ بہٖ فقد شکرہٗ ومن کتمہ فقد کفرہٗ[3]

---

[1] سنن ابی داؤد (مترجم) ج سوم ص ۵۹۲

[2] قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات شکر کی تلقین کرتی ہیں:

(۱) سورۃ الفرقان: ۶۲/۲۵ (۲) سورۃ البقرۃ: ۱۷۲/۲ (۳) سورۃ النحل: ۷۸/۱۶

[3] سنن ابی داؤد (مترجم) ج سوم ص ۵۳۴

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کوئی چیز دی جا دے پھر اس کو قدرت ہو تو اس کا بدلہ دے اگر بدلہ نہ دے سکے تو تعریف کرے جس نے تعریف کی اُس نے شکر ادا کیا اور جس نے چھپایا (احسان کو) اُس نے ناشکری کی۔

۸۔ عفو: عفو سے مراد دوسرے کی خطا اور غلطی کو معاف کر دینا ہے بلکہ اسلام میں عفو اس صورت میں مناسب ہے جب خاطی اپنی خطا اور غلطی پر نادم ہو اور اس کو معاف کرنا اس کے لیے اصلاح کا موجب ہو۔ قرآن مجید میں عفو پر بڑی تاکید کی گئی ہے[۱]

حدیث نبوی میں عفو کی فضیلت یوں بیان کی گئی ہے:

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول اللهِ صلى الله عليه وسلم قال موسىٰ بن عمران عليه السلام يا رب من اعزّ عبادك قال من اذا قدر غفر[۲]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ بن عمران نے کہا اے پروردگار تیرے بندوں میں سے تیرے ہاں عزیز تر کون ہے فرمایا جو شخص قدرت رکھنے پر بخش دیتا ہے۔

۹۔ عدل و انصاف: اسلامی اخلاق میں عدل و انصاف سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا حق ٹھیک ٹھیک دینا اور کسی پر زیادتی نہ کرنا۔ عدل کے مقابلے میں عربی زبان میں لفظ ظلم ہے جس کے معنی کسی چیز کو اس کے مناسب مقام پر نہ رکھنا۔ قرآن مجید جگہ جگہ عدل و انصاف کرنے کا حکم آیا ہے[۳]

---

[۱] قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات عفو پر دلالت کرتی ہیں:

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/۱۳۴ (۲) سورۃ النساء: ۴/۱۴۹ (۳) سورۃ النور: ۲۴/۲۲

[۲] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۴۷۵

[۳] قرآن پاک کی یہ آیات عدل و انصاف کا حکم دیتی ہیں:

(۱) سورۃ النساء: ۴/۳ (۲) سورۃ المائدہ: ۵/۸ (۳) سورۃ النحل: ۱۶/۹۰

۱۰۔ **تواضع و خاکساری:** خدا کی رضا اور مخلوق پر رحم و کرم کی وجہ سے اپنے اصل مقام سے کم پر راضی ہوجانا اور خود کو پست کر دینے کا نام تواضع ہے۔ وضع اور تواضع میں بڑا فرق ہے۔ وضع سے انسان کی خود داری اور عزت نفس مجروح ہوتی ہے اور تواضع سے کبر نفسی کی سرکشی اُدھی ذبح ہوتی ہے اول الذکر رذیلہ ہے اور موخر الذکر فضیلت۔ قرآن مجید میں تواضع و خاکساری اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔[۱]

قرآن مجید کے علاوہ حدیث نبویؐ میں بھی تواضع اور عاجزی اختیار کرنے کی نصیحت کی گئی ہے:

قَالَ رسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ اوحیٰ اِلیّ اَنْ تواضعُوا حتیٰ لایبغی احدٌ علی احدٍ ولایفخر احدٌ علی احدٍ[۲]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مجھے وحی بھیجی کہ عاجزی کرو یہاں تک کہ کوئی دوسرے پر زیادتی نہ کرے نہ ایک دوسرے پر فخر کرے۔

۱۱۔ **حلم و بُردباری:** ہیجان غضب کے وقت ضبط نفس سے کام لینے کا نام حلم و بُردباری ہے۔ حلیم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس صفت سے اس خلق کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔[۳]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیم و بردبار شخص کا ذکر یُوں بیان فرمایا ہے:

قال رسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما تعدّون الصُّرعۃ فِیکم؟ قالوا الّذی لایصرعُہُ الرجالُ قال ولکنّہُ الّذی یملک نفسہُ عند الغضب[۴]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پہلوان کس کو کہتے ہو لوگوں نے کہا وہ شخص

---

[۱] قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات تواضع و خاکساری اختیار کرنے کی تلقین کرتی ہیں۔

(۱) سورۃ الفرقان: ۲۵/۶۳ (۲) سورۃ الشعراء: ۲۶/۲۱۵ (۳) سورۃ لقمان: ۳۱/۱۸

[۲] سنن ابی داؤد شریف (مترجم) ج سوم ص ۵۵۹

[۳] قرآن پاک کی یہ آیات حلم کے مفہوم پر دلالت کرتی ہیں (۱) سورۃ ہود: ۱۱/۵، (۲) سورۃ بنی اسرائیل: ۱۷/۴۴

[۴] سنن ابی داؤد شریف (مترجم) ج سوم ص ۵۲۴

جس کو لوگ پچھاڑ نہ سکیں آپ نے فرمایا نہیں پہلوان وہ ہے جب اپنے نفس پر غصے کے وقت قابو رکھے۔

۱۲۔ رحم و کرم: مکارم اخلاق میں رحم و کرم کو بلند مقام حاصل ہے اللہ تعالیٰ کی دو صفات رحمٰن اور رحیم لفظ رحم ہی سے مشتق ہیں۔ قرآن مجید کی ہر سورت بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے شروع ہوتی ہے اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ خلق رحم اور شفقت اللہ تعالیٰ کو کتنا عزیز اور پیارا ہے[1]

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات اپنے بندوں میں دیکھنا پسند فرماتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء الرحم شجنۃ من الرحمٰن فمن وصلھا وصلہ اللہ ومن قطعھا قطعہ اللہ[2]

رحمت کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے رحمت کرو ان پر جو زمین میں ہیں تم پر رحمت کرے گا وہ جو آسمان پر ہے۔ رحم رحمٰن کی جڑ رگ سے ہے جو اس سے ملے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملے گا جو اس سے قطع تعلق کرے گا اللہ بھی قطع تعلق کرے گا۔

۱۳۔ سخاوت: اسلام میں سخاوت کے معنی اپنے کسی حق کو بطیب خاطر کسی دوسرے کے حوالے کر دینے کے ہیں۔ سخاوت کے مفہوم میں صرف مال کو خرچ کرنا ہی شامل نہیں بلکہ جسمانی اور ذہنی قوتوں کو بھی دوسروں کی بھلائی اور بہبود کے لیے خرچ کرنے پر استعمال ہوتا ہے قرآن مجید جا بجا ان قوتوں کو دوسروں کے لیے خرچ کرنے کی ہدایت کرتا ہے[3]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخی اور فیاض انسان کا مرتبہ یوں بیان فرمایا ہے:

---

[1] قرآن پاک کی یہ آیات رحم کے مفہوم پر مشتمل ہیں: (۱) سورۃ المومنون: ۱۰۹/۲۳ (۲) سورۃ مومن: ۷/۴۰
(۳) سورۃ الفتح: ۲۹/۴۸ (۴) سورۃ الحدید: ۲۷/۵۷

[2] جامع ترمذی شریف (مترجم) ج اول ص ۸۲۲، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی۔

[3] قرآن پاک کی یہ آیات مالی، جسمانی اور ذہنی قوتوں کو دوسروں کی بھلائی پر خرچ کرنے کی تلقین کرتی ہیں:
(۱) سورۃ البقرہ: ۲/۳-۲۵۴ (۲) سورہ آل عمران: ۹۲/۳

السخی قریبٌ من اللّٰہ قریبٌ مِن الجنۃ قریبٌ من النّاس بعیدٌ
من النار [1]

سخی اللہ سے قریب ہے جنت سے نزدیک ہے لوگوں سے بھی نزدیک آگ سے
دور ہے۔

۱۴۔ **شجاعت**: شجاعت کے لغوی معنی بہادری کے ہیں لیکن اصطلاح میں ضرورت اور باطل قوتوں کے مقابلہ کے وقت مصائب اور خطرات کا خندہ پیشانی اور ثابت قدمی کے سامنا کرنے کا نام شجاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ صفت اپنے بندوں میں دیکھنا چاہتا ہے [2]

۱۵۔ **ایثار**: ایثار کا معنی یہ ہے کہ دوسروں کی ضرورت کو اپنی ذاتی ضرورت پر مقدم رکھا جائے۔ قرآن مجید میں ایثار کی بہترین مثال انصار کی دی گئی ہے جس میں انھوں نے مہاجرین کو اپنی ذات اور اہل وعیال پر ترجیح دی [3]

۱۶۔ **حق گوئی**: حق گوئی سے مراد یہ ہے کہ سچی بات کا بغیر کسی ڈر کے برملا اظہار کر دینا حق گوئی بہت بڑا انسانی وصف ہے اس کا تعلق شجاعت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حق گوئی پر پابند رہنے کا حکم دیتے ہیں [4]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَنَّ من اعظم الجہادِ کلمۃ عدلٍ عند سلطان جائر [5]

بڑا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

۱۷۔ **اعتدال**: امت مسلمہ کی یہ ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ اس کو درمیانی امت کا

---

[1] جامع ترمذی شریف (مترجم) ج اول ص ۸۳۳

[2] قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات ثابت قدمی کا حکم دیتی ہیں: سورۃ الانفال: ۸/۱۵-۴۵

[3] سورۃ الحشر: ۵۹/۹

[4] قرآن پاک کی یہ آیات حق گوئی کی تلقین کرتی ہیں: سورۃ المائدہ: ۵/۵۴، سورۃ الحجر: ۱۵/۹۴

[5] جامع ترمذی ج دوم ص ۴۱

لقب عطا کیا گیا جس میں یہی راز ہے کہ اس امت کا راستہ افراط اور تفریط سے پاک ہے۔ اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال پسندی کی تعلیم دیتا ہے[1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میانہ روی اختیار کرنے کی حکیمانہ تلقین یوں فرمائی ہے:

سدّدوا وقاربوا واعلموا ان لن یدخل احدکم عمله الجنة وانّ احبّ الاعمال الی الله ادومها وان قلّ[2]

اعمال میں میانہ روی اختیار کرو اور اللہ کی قربت حاصل کرو اور جان لو کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا اور اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے اگرچہ کم ہو۔

۱۸۔ **رفق و نرمی** : رفق کے معنی کلام اور معاملات میں نرمی اور سہولت سے کام لینے کے ہیں ویسے تو یہ خلق ہر آدمی کیلیے زیور ہے لیکن خاص طور پر مبلغ کے لیے یہ خلق نہایت ضروری ہے قرآن حکیم میں نرمی سے بات کہنے کی تاکید کی گئی ہے[3]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّ الله رفیق یحبّ الرفق ویعطی علی الرفق ما لا یعطی علی العنف وما لا یعطی علی ما سواه[4]

اللہ تعالیٰ مہربان ہے نرمی و مہربانی پسند کرتا ہے اور نرمی و مہربانی پر وہ کچھ عطا کرتا ہے جو درشتی و سختی پر عطا نہیں فرماتا اور نہ نرمی و مہربانی کے علاوہ کسی اور چیز پر کچھ عطا کرتا ہے۔

---

[1] قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات اعتدال پسندی کی تعلیم دیتی ہیں:
(۱)۔ سورۃ بنی اسرائیل: ۱۷/۲۹ (۲) سورۃ الفرقان: ۲۵/۶۷ (۳) سورۃ لقمٰن: ۳۱/۱۹

[2] صحیح بخاری شریف ج سوم (مترجم) ص ۵۱۶

[3] قرآن پاک کی یہ آیات نرم بات کہنے کا درس دیتی ہیں:
(۱) سورۃ آل عمران: ۳/۱۵۹ (۲) سورۃ طٰہٰ: ۲۰/۴۴

[4] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۴۶۷

اخلاق شنیعہ

اسلام اخلاق حسنہ سے معاشرے کو مزین کرتا ہے لیکن اخلاق شنیعہ سے بچنے کی تاکید کرتا ہے کیونکہ اس سے معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور یہی اسلامی ثقافت کی نمایاں خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک حسین و پاکیزہ معاشرے کی داغ بیل ڈالتا ہے۔ اب اخلاق شنیعہ کا اختصاراً تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اسلام ان سے بچنے کی تاکید کیوں کرتا ہے اور معاشرے کو کیا نقصانات پہنچتے ہیں۔

۱۔ **کذب** : امر واقع کے خلاف کسی قول یا فعل کو کذب کہتے ہیں۔ کذب تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ قرآن مجید میں کذب سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے [۱]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کذب کے متعلق یوں ارشاد فرمایا ہے:

انّ الکذب یھدی الی الفجور وان الفجور یھدی الی النّار وانّ الرجل لیکذب حتّیٰ یکتب عند اللہ کذّابًا [۲]

جھوٹ بدکاری کی طرف اور بدکاری دوزخ کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے نزدیک کاذبین میں لکھا جاتا ہے۔

۲۔ **خیانت** : اللہ اور بندوں کے حقوق کو باحسن طریق ادا نہ کرنا خیانت ہے۔ اگر کسی کے پاس کوئی امانت رکھی گئی ہے اس میں بے جا تصرف کرنا اور طلب پر واپس نہ کرنا یا انکار کر دینا بھی خیانت ہے۔ اسلام نے خیانت کو نہایت ہی مذموم فعل قرار دیا ہے [۳]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[۱] قرآن پاک کی یہ آیات کذب کے متعلق بیان کرتی ہیں:
(۱) سورہ الحج : ۳۰/۲۲ (۲) سورۃ نور : ۷/۲۴

[۲] صحیح بخاری شریف (مترجم) ج سوم ص ۳۹۱

[۳] قرآن پاک کی اس آیت میں خیانت سے اجتناب کا حکم ہے: سورہ انفال : ۲۷/۸

ملعونٌ من ضار مؤمناً او مکر بہ [۱]

وہ شخص ملعون ہے جس نے کسی مومن کو نقصان پہنچایا یا اس کے ساتھ مکر کیا۔

۳۔ حسد : دوسروں سے کسی نعمت کے چھن جانے کی آرزو کو حسد کہتے ہیں یعنی بعض لوگ ایسے تنگ دل ہوتے ہیں جو دوسروں کی بھلائی اور بہتری کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھ سکتے اور چاہتے ہیں کہ آسودہ لوگوں کی آسودگی چھن جائے اور وہ مجھ کو مل جائے قرآن مجید میں حسد کو بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے [۲]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسد سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے کیونکہ یہ نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے :

ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب او قال العشب [۳]

تم حسد سے بچو کیوں کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو یا گھاس کو کھاتی رہتی ہے۔

۴۔ بخل : کسی انسان کا ضرورت کے مطابق اپنی جان، اہل و عیال، رشتہ دار یا معاشرہ کے مستحقین پر خرچ نہ کرنے کا نام بخل ہے اس عادت سے بے شمار بداخلاقیاں پیدا ہو کر معاشرہ میں فساد پھیلا دیتی ہیں بخل کے علاج کے لیے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اور صدقات ادا کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اللہ اور اس کا رسولؐ اس عادت کو نہایت ہی ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھتے ہیں [۴]

---

[۱] جامع ترمذی شریف (مترجم) ج اول ص ۸۲۷، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

[۲] قرآن پاک کی ان آیات میں حسد کا ذکر کیا گیا ہے :

(۱) سورۃ البقرۃ : ۲/۱۰۹ (۲) سورۃ النساء : ۴/۳۲-۵۴ (۳) سورۃ الفلق : ۱۱۳/ ۵

[۳] سنن ابی داؤد شریف (مترجم) ج سوم ص ۵۶۲، مطبع سعیدی کراچی

[۴] قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات میں بخل کا تذکرہ کیا گیا ہے :

(۱) سورۃ الحدید : ۵۷/۲۳-۲۴ (۲) سورۃ الھمزۃ : ۱۰۴/۲-۳-۴

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

لا یدخل الجنۃ خبٌّ ولا بخیلٌ ولا منّانٌ [۱]

جنت میں مکار، بخیل اور احسان جتانے والا داخل نہ ہوگا۔

۵ ۔ بہتان : بہتان یہ ہے کہ جان بوجھ کر کسی کی طرف ناکردہ گناہ منسوب کر دیا جائے قرآن مجید اور حدیث نبوی میں اس فعل کی بہت مذمت بیان ہوئی ہے [۲]

عن صفوان بن سلیم انّہ قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایکون المومن جبانًا قال نعم فقیل لہ ایکون المومن بخیلًا قال نعم فقیل لہ ایکون المومن کذّابًا قال لا [۳]

صفوان بن سلیم سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا مومن بزدل ہو سکتا ہے فرمایا ہاں۔ کہا گیا مومن بخیل ہو سکتا ہے فرمایا ہاں۔ کہا گیا مومن کذاب ہو سکتا ہے فرمایا نہیں۔

۶ ۔ غیظ و غضب : جذبات بہیمیہ میں اشتعال کا نام غیظ و غضب ہے چونکہ اس اشتعال سے ظلم و تعدی کے راستے کھلتے ہیں اس وجہ سے قرآن اور حدیث نے جذبات پر قابو رکھنے کی تعلیم دی ہے [۴]

لوگوں میں عموماً یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ کسی پر غصہ نکالنا یا کسی سے انتقام لینا بہادری و شجاعت ہے یہی وجہ ہے کہ وہ انتقام نہ لینے اور عفو و درگزر کو بے غیرتی خیال کرتے ہیں اس غلط تاثر کو دور کرنے

---

[۱] جامع ترمذی شریف (مترجم) ج اول ص ۸۴۴

[۲] قرآن پاک کی ان آیات میں بہتان کا ذکر آیا ہے :

(۱) سورۃ النساء : ۴/۱۱۲ (۲) سورۃ النور : ۲۴/۲۳ (۳) سورۃ الممتحنہ : ۶۰/۱۲

[۳] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوص ۴۲۶ ، مکتبہ رحمانیہ لاہور

[۴] قرآن پاک کی ان آیات میں غیظ و غضب پر قابو رکھنے کی تلقین کی گئی ہے :

(۱) سورۃ آل عمران : ۳/۱۳۴ (۲) سورۃ شوریٰ : ۴۲/۳۷

کی خاطر محسنِ اعظم و رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا:

لیس الشدید بالصرعۃ انما الشدید الذی یملک نفسہٗ عند الغضب [1]

قوی اور طاقتور وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ قوی وہ ہے جو غصّہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔

۷۔ عیب لگانا: دوسروں کی ذات پر خامیاں اور کوتاہیاں تھوپنا بہت بری عادت ہے قرآن مجید میں اس بُری عادت سے منع کیا گیا ہے [2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

عن معاویۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انک ان اتبعت عورات الناس افسدتھم اوکدت ان تفسدھم فقال ابوالدرداء کلمۃ سمعھا معاویۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انفعہ اللہ بھا [3]

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اگر تو لوگوں کے پردوں کو دیکھے گا تو ان کو اور بگاڑ دے گا یا بگاڑنے کے قریب کر دے گا ابوالدرداء نے کہا یہ وہ کلمہ ہے جس کو معاویہؓ نے رسول اکرمؐ سے سُنا اور اللہ نے ان کو اس سے فائدہ دیا۔

۸۔ کبر: تمام رذائل اخلاق کی اساس ہی کبر ہے یہی وہ مرض ہے جس کی وجہ سے شیطان راندہ درگاہ ہوا۔ قرآن پاک میں تکبر اور غرور سے اجتناب کرنے کی ہدایت کی گئی ہے [4]

---

[1] صحیح بخاری شریف (مترجم) ج سوم ۳۹۷

[2] سورۃ الحجرات: ۱۱

[3] سنن ابی داؤد شریف (مترجم) ج سوم ص ۵۵۷

[4] قرآن پاک کی یہ آیات کبر و غرور سے بچنے کی ہدایت کرتی:

(۱) سورۃ الاعراف: ۷/۱۳ (۲) سورۃ بنی اسرائیل: ۱۷/۳۷ (۳) سورۃ لقمٰن: ۳۱/۱۸

قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ الکبریآءُ ردآئی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی واحداً منھما ادخلتہُ النار وفی روایۃ قذفتہٗ فی النار[1]

رسول اکرمؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کو مجھ سے چھینے گا میں اس کو آگ میں داخل کر دونگا ایک روایت میں ہے اس کو آگ میں پھینک دوں گا۔

۹۔ **غیبت و بدگمانی :** زبان کو بدزبانی، بدگوئی اور بدکلامی سے بچانا نہایت ضروری ہے غیبت کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی بُرائی اس کی عدم موجودگی میں بیان کرنا۔ اسلام غیبت و بدگمانی سے بچنے کی تاکید کرتا ہے[2]

حدیث نبویؐ ہے :

لاتباغضوا ولاتحاسدوا ولاتدابرُوا وکونوا عباد اللہ اخواناً ولایحلّ لمُسلم ان یھجرا خاہُ فوق ثلاثۃ ایام[3]

ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور نہ حسد کرو اور نہ غیبت کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو کر رہو اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ جُدا رہے۔

۱۰۔ **چغل خوری :** چغل خوری بھی جھوٹ کی ایک بدترین قسم ہے کیونکہ چغل خوری کا یہ مطلب ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان اِدھر اُدھر کی جھوٹی باتیں بیان کر کے ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا جائے ایسے لوگ بڑے فتنہ انگیز ہوتے ہیں۔ اسلام میں چغل خوری کی سخت ممانعت ہے[4]

---

[1] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۴۷۳

[2] قرآن مجید کی ان آیات میں غیبت و بدگمانی کا ذکر ہے : سورۃ الحجرات : ۴۹/۱۲ ، سورۃ الھمزہ : ۱۰۴/۱

[3] صحیح بخاری شریف (مترجم) ج سوم ص ۳۸۱

[4] قرآن پاک کی یہ آیات چغل خوری کی کیفیت بیان کرتی ہیں :

سورۃ الحجرات : ۴۹/۶ ، سورۃ القلم : ۶۸/۱۰-۱۱

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

لا یدخل الجنة قتات [1] چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا۔

۱۱۔ظلم : کتاب وسنت میں ظلم وزیادتی کی سخت ممانعت آئی ہے یہ ایک ایسا سنگین جُرم ہے جس کی سزا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہے۔ اسلام ظلم سے بچنے کی تلقین کرتا ہے [2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

الظلم ظلمات یوم القیمة [3]

ظلم قیامت کے دن تاریکیاں ہوں گے۔

اسلام کے نظامِ اخلاق کی بڑی طویل فہرست ہے اور یہ اخلاق حسنہ اور اخلاق شنیعہ دونوں پر مشتمل ہے اسلام اخلاقِ حسنہ کو اپنانے کی ہدایت کرتا ہے جبکہ اخلاقِ شنیعہ سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ لیکن طوالت سے بچنے کی خاطر یہاں اخلاق کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے تاکہ یہ بات واضح ہوسکے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کی اخلاقی تطہیر کیسے کرتا ہے اور اسلامی ثقافت کیسے دوسری ثقافتوں کو اپنے زیر اثر لاکر ان پر برتری حاصل کرلیتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو عروج اور پھلنے پھُولنے کا موقع بھی اس کے نظامِ اخلاق کی بدولت نصیب ہوا۔ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی ترویج واشاعت میں ظلم وجبر سے کام نہیں لیا گیا بلکہ بانی ثقافتِ اسلامیہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعلیٰ اخلاق اور عمدہ کردار سے دنیا کی کایا پلٹ دی اور لوگ آپؐ کے اخلاق وکردار سے متاثر ہوکر جُوق دَر جوق حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

ج ۔ روحانی حالت (قلبی اخلاق) : اخلاق کا تیسرا حصّہ روحانی حالت ہے جو قلبی اخلاق کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اسلام کے نزدیک، اخلاق صرف ظاہری اعمال سے ہی تعلق نہیں رکھتے بلکہ دل کی پاکیزگی ہی ضابطہ اخلاق کی اساس ہے کیونکہ اعمال کا سرچشمہ دل ہے۔

---

[1] جامع ترمذی شریف (مترجم) ج اول ص ۸۵۲

[2] قرآن پاک کی ان آیات میں ظلم کا تذکرہ کیا گیا ہے: سورۃ الاعراف: ۳۳/۷ ، سورۃ الحجرات: ۹/۴۹

[3] جامع ترمذی شریف (مترجم) ج اول ص ۸۵۳

قرآن مجید میں ارشاد ہے :

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ [1]

اور بے حیائی کی باتوں کے قریب مت جاؤ جوان میں سے ظاہر ہوں اور جو چھپی ہوئی ہوں۔

اس آیت سے واضح ہے کہ اخلاق کا تعلق صرف ظاہری اعمال سے نہیں بلکہ ان اعمال سے بھی ہے جن کا مرتکب دل ہوتا ہے گو ان کو معلوم کرنے کا طریقہ لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہستی ہے وہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ دوسری جگہ اس مضمون کو اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے :

وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ [2]

اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ اللہ تعالیٰ اس کا تم سے حساب لے گا۔

جہاں اسلام نے دل کی پاکیزگی کو ضابطہ اخلاق کی عمارت کی بنیاد قرار دیا ہے وہاں اسلام نے روحانی حالت درست کرنے اور دل کی پاکیزگی کو حاصل کرنے کے اصول بھی بیان کیے ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان دل کی پاکیزگی حاصل کر لیتا ہے وہ اصول حسب ذیل ہیں۔

اوّل ۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کے شرک سے اجتناب کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی صفات حسنہ میں اپنے آپ کو رنگ لیا جائے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ شرک تین طرح سے ہوتا ہے ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو بھی واجب الوجود ٹھہرائے دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو خالق جانے تیسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کرے یا اسے مستحق عبادت سمجھے [3]۔ اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان رکھ کر دل کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اسلام کا بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے

---

[1] سورۃ الانعام : ۱۵۲

[2] سورۃ البقرۃ : ۲۸۴

[3] اشعۃ اللمعات ج اول ص ۷۲

غیر معبودوں کی عبادت سے نجات دِلا کر خدائے واحد کو حقیقی معبود ٹھہرایا۔

دوم۔ اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال اور احسان پر اطلاع

انسان بالطبع حسین چیز کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے اس کے مشاہدہ سے محبّت پیدا ہوتی ہے اس طبعی جذبہ کے تحت یہ ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حسنہ پر اطلاع حاصل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت انسان کے دل میں پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی محبّت تمام غیر اللہ کے بندھنوں اور زنجیروں کو کاٹ کر اس سے کامل اتصال پیدا کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی بہت سی صفات حسنہ بیان کی ہیں تاکہ اس کا حُسن انسان کے دل کو اس کی طرف مائل کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے احسان پر اطلاع پانے سے بھی انسان منزلِ حقیقی تک پہنچ سکتا ہے کیونکہ محبّت کی محرک دو چیزیں ہیں حسن یا احسان۔ اللہ تعالیٰ نے احسانی صفات قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں جن کا خلاصہ سورۃ فاتحہ میں ہے۔ سورہ فاتحہ کے آغاز میں چار احسانی صفات بیان کی ہیں۔ ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے احسانات بار بار جتلائے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا [1]

اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ہرگز شمار نہیں کر سکو گے۔

سوم۔ دُعا کرنا

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ [2] تم دُعا کرو میں قبول کروں گا۔

روحانی انعامات حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ دُعا ہے اور دُعا اس وقت کارگر ثابت ہوتی ہے جب انسان اپنی زندگی اور اپنی تمام قوتوں کو اللہ کے راستے میں وقف کر دیتا ہے اور قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ [3]

---

[1] سورۃ النحل: ۱۸

[2] سورۃ المؤمن: ۶۰

[3] سورۃ الانعام: ۱۶۳

کہو کہ میری نماز اور میری عبادت، میرا جینا اور مرنا سب کا سب تمام عالموں کے رب کے لیے ہے۔

چہارم ۔ توبہ اور استغفار توبہ لغت عربی میں رجوع کرنے کو کہتے ہیں اسی وجہ سے قرآن مجید میں اللہ کا نام توّاب ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جب انسان اپنے کردہ گناہوں سے دست بردار ہو کر کامل صدق و وفا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کے دست استعانت کو پکڑ کر اپنے فضل و کرم کی چادر میں لپیٹ لیتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں استغفار اور توبہ کرنے کے متعلق بہت تاکید کی ہے ارشاد الٰہی ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ [1]

اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کہ وہ تجھے بشریت کی کمزوری سے محفوظ رکھے اسی طرح مومن مرد اور مومن عورتوں کو بھی محفوظ رکھے۔

پنجم ۔ مجاہدہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [2]

وہ لوگ جو نجات حاصل کرنے کے لیے پوری پوری کوشش کرتے ہیں ہم ان کو جادہ ثواب کی ہدایت کر دیتے ہیں۔

ششم ۔ استقامت استقامت یہ ہے کہ اگر انسان ہر قسم کے مصائب اور تکالیف میں گھر جائے کوئی بھی مونس و معاون نہ ہو اس حالت میں بھی اس کی زبان اور اس کے جوارح سے کسی قسم کی بے چینی و اضطراب ظاہر نہ ہو بلکہ مصائب کے کڑوے گھونٹ آب شیریں سمجھ کر پی جائے۔ قرآن مجید میں آیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ

---

[1] سورۃ محمد : ۱۹

[2] سورۃ العنکبوت : ۶۹

الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ● نَحْنُ اَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ [1]

وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر استقامت اختیار کی ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور مت غمگین ہو۔ جنت اور دائمی خوشی کی بشارت پاؤ جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے ہم دنیا اور آخرت کی زندگی میں تمہارے دوست ہیں۔

ہفتم۔ راست بازوں کی صحبت انسان بالطبع نمونہ کا محتاج ہے جب انسان نیک اور راست بازوں کی صحبت اختیار کرے گا تو لازماً اپنی زندگی صادقین کی زندگی میں ڈھالے گا۔ اسی لیے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ [2]

ان لوگوں کی صحبت اور معیت اختیار کرو جو اپنے قول اور فعل میں صادق ہیں۔

ہشتم۔ اکل حلال وطیب اسلام حلال اور طیب چیزوں کو کھانے کی ہدایت کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا [3]

اے اللہ کے پیغمبروں پاک اشیاء کھاؤ اور نیک اعمال بجالاؤ۔

قرآن مجید کا طرزِ استدلال یہ ہے کہ انبیاء کو مخاطب کیا جاتا ہے اور مراد سب متبع ہوتے ہیں۔ چونکہ خوراک کا انسان کے اخلاق پر گہرا اثر پڑتا ہے اس وجہ سے قرآن مجید نے حلال، طیب، مکروہ اور حرام سے متعلق احکام بیان کر دیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے جو انسان کی روحانی زندگی کے لیے پیغامِ موت ہیں۔

۵۔ نظامِ اجتماعی کے اصول: اسلامی ثقافت کا پانچواں اور آخری عنصر ترکیبی انسان کی انفرادی

---

[1] سورۃ حٰم السجدہ : ۳۰ - ۳۱

[2] سورۃ التوبہ : ۱۱۹

[3] سورۃ المومنون : ۵۱

اور اجتماعی زندگی پر محیط ہے اس میں معاشرت، تقسیم دولت اور ریاست کے متعلق بنیادی اہمیت کے اصول زیر بحث آئیں گے۔

۱۔ معاشرت: انسان مدنی الطبع ہے اور اس میں مل جل کر زندگی بسر کرنے کی جبلت ہے۔ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وہ دوسروں کا محتاج ہے اور اس طرح سوسائٹی کی ابتدا ہوئی۔ معاشرہ چونکہ افراد کے ایک بڑے گروہ پر مشتمل ہوتا ہے اور معاشرے کے اس گروہ کو صحیح خطوط پر قائم کرنا بڑی مشکل بات ہے لیکن اسلام نے معاشرت کے لیے ایسے اصول بیان کیے ہیں جس سے حقوق و فرائض کا تعین بھی ہو جاتا ہے اور معاشرے میں فطری بگاڑ کا بھی سدِ باب ہو جاتا ہے۔ اسلام کی یہی ایک امتیازی خوبی ہے کہ وہ نظامِ معاشرت کو اصولِ عدل و احسان پر ترتیب دیتا ہے جو اپنی حیثیت میں منفرد مقام کا حامل ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ عدل و احسان کے فرق کی صراحت کی جائے تاکہ معاملہ واضح ہو جائے۔ امام راغبؒ نے احسان اور عدل کے فرق کی اس طرح صراحت کی ہے۔ احسان تو عدل سے افضل اور بڑھ کر ہے کیونکہ عدل کے معنی ہیں دوسرے کا حق پورا ادا کرنا اور اپنا حق پورا لینا لیکن احسان یہ ہے کہ دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دیا جائے اور اپنے حق سے کم لیا جائے[۱]

والدین کے ساتھ برتاؤ

والدین کی عظمت، ہر قوم، ہر ملت اور ہر مذہب میں مسلّم ہے لیکن شاید کسی مذہب نے بھی اس تفصیل کے ساتھ والدین کے حقوق معیّن نہیں کیے ہیں جس طرح اسلام والدین کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا[۲]

---

[۱] المفردات بذیل مادہ (ح س ن) نیز (ع د ل)

[۲] سورۂ بنی اسرائیل: ۲۳

اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہاری زندگی میں بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جائیں تو ان کی کسی بات پر اُف نہ کرو اور نہ انھیں جھڑکنے لگو اور اُس سے بات چیت ادب و عزت سے کرو۔

یہاں ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا اور دیگر آیات میں بھی ارشادِ توحید کے متصل والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے اور اس سے اس حکمِ احسان کی غیر معمولی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں اولاد کو والدین کے احترام و فرمانبرداری کا ایسا درس دیا گیا ہے جو اسلامی ثقافت کی امتیازی خوبی ہے۔ اسلامی ثقافت میں ماں کا رشتہ اتنا مقدس اور اس کا درجہ اتنا بلند ہے کہ کسی دوسرے دین و مذہب میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن معاویۃ بن جاھمۃؓ اَنَّ جَاھِمَۃَ جَاءَ اِلَی النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللّٰہِ اردتُ اَنْ اَغزُو وقد جئتُ استشیرکَ فقال ھَلْ لکَ من اُمٍ فقال نعم قالَ فالزمھا فانّ الجنۃ عند رجلھا [1]

معاویہؓ بن جاہمہ سے روایت ہے کہ جاہمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے رسول میں آپ سے مشورہ کرنے کے لیے آیا ہوں کہ میں جہاد کے لیے جانا چاہتا ہوں آپؐ نے فرمایا تیری ماں ہے اس نے کہا ہاں فرمایا اس کو لازم پکڑ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ماں کی خدمت اور اس سے احسان کرنے کے صلے میں انسان کو جنت ملتی ہے لیکن ہمیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ماں باپ کو ستانے والوں اور ان سے احسان نہ کرنیوالوں کو سزا بھی اتنی ہی سخت اور عبرتناک دی جاتی ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف (مترجم) ج دوم ص ۴۴۲

عن ابی امامۃؓ انّ رجلاً قال یارسول اللہؐ ما حقُّ الوالدین علی ولدھما قال ھما جنتُك ونارك لہ[1]

حضرت ابی امامہؓ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے آپؐ نے فرمایا ماں باپ اولاد کیلیے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی۔

والدین چونکہ اولاد کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتے ہیں اس لیے ان سے محبت و شفقت، لطف وکرم اور احسان کرنے کا اجر اس سے کہیں زیادہ ہے جس کی اُمید کی جاسکتی ہے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من ولدٍ بارٍ ینظر الی والدیہ نظر رحمۃ الّا کتب اللہ لہ بکلّ نظرۃ حجّۃ مبرورۃ قالوا وان نظر کل یوم مائۃ مرّۃ قال نعم اللہ اکبر واطیب لہ[2]

کوئی بیٹا جب اپنے ماں باپ کی طرف لطف وکرم کی نظر سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر نظر کے بدلے ایک حج کا ثواب اس کے حساب میں لکھ دیتا ہے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا چاہے وہ دن بھر میں سو مرتبہ دیکھے آپؐ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ بہت عظیم و پاکیزہ ہے۔

اگر والدین سے احسان کرنے بلکہ اُن کو نظرِ لطف وکرم سے دیکھنے کا اجر اتنا عظیم ہے تو ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اُن سے گستاخی کرنے، ان سے احسان نہ کرنے اور ان کی نافرمانی کرنے کی سزا بھی اتنی ہی زیادہ اور شدید ملتی ہے۔ حدیث نبوی ؐ ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کل الذّنوب یغفر اللہ تعالیٰ منھا ما شآءَ الّا عقوق الوالدین فانہٗ یُعجل لصاحبہ فی الحیاۃ قبل الممات[3]

---

[1] مشکوٰۃ شریف (مترجم) جلد دوم ص ۴۴۳، مکتبہ رحمانیہ لاہور

[2] ایضاً

[3] ایضاً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کل گناہوں کو یعنی ان میں سے جتنے چاہے بخش دیتا ہے مگر والدین سے نافرمانی کرنے کے گناہ کو نہیں بخشتا بلکہ اللہ تعالیٰ اسکی سزا اسے دنیا ہی میں مرنے سے پہلے دے دیتا ہے۔

اسلام نے والدین کو اتنا ارفع و اعلیٰ مقام دیا ہے کہ اس کے سوا آج تک کسی دین و مذہب اور مکتب فکر کی رسائی اس تک نہیں ہوئی اس مقام کی رفعت کی انتہا اس حدیث مبارکہ سے عیاں ہے:

عن عبد اللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رضا الرّب فی رضا الوالد وسخط الرّب فی سخط الوالد[1]

حضرت عبداللہ بن عمرو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا رب کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور رب کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔

اولاد کے ساتھ برتاؤ

اسلام اولاد کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ہدایت دیتا ہے لیکن لڑکیوں کے لیے خصوصاً اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو متوجہ کیا ہے کہ اس مجبور اور مظلوم طبقے کو ہدف ستم نہ بنائیں جو لوگ لڑکی کی ولادت پر شرماتے ہیں قرآن مجید نے ایسے لوگوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِہٖ ط اَیُمْسِکُہٗ عَلٰی ھُوْنٍ اَمْ یَدُسُّہٗ فِی التُّرَابِ ط اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ[2]

جس کی اُسے خوشخبری دی گئی اس کو شرم کے مارے چھپا چھپا پھرے اور سوچے کہ اس ذلت پر بیٹی کو لیے رہے یا اسے مٹی میں گاڑ دے۔ دیکھو ان لوگوں کی کیا رائے ہے۔

قرآن مجید میں اولاد کو قتل کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور اس فعل کو بڑی غلطی قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَاِیَّاکُمْ

---

[1] جامع ترمذی شریف (مترجم) جلد اول ص ۱۸ا، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

[2] سورۃ النحل: ۵۹

إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيرًا [1]

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو ہم ہی انھیں رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی۔ ان کا مار ڈالنا بڑی غلطی ہے۔

لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کے بارے میں حدیث نبوی ہے:

قالَ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم اِن اللہ حَرمَ علیکم عقوق الامھات و وا دالبنات ومنعًا وھات وکرہ لکم قیل وقالَ وکثرۃ السوال واضاعۃ المال [2]

نبی کریم نے فرمایا اللہ تعالی نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا حرام کر دیا ہے اور حق کا ترک کرنا ناحق چیزوں کا لینا منع کر دیا ہے اور تمہارے لیے قیل وقال، کثرت سوال اور اضاعت مال کو ناپسند کیا ہے۔

اولاد کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے مستقبل کا انتظام کیا جائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ حجۃ الوداع کے سال جب کہ میں ایک مرض میں مبتلا تھا میری عیادت کو تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ مرض کے سبب میری یہ حالت ہے، میں مالدار ہوں اور میرا وارث میری بیٹی کے سوا نہیں تو کیا میں اپنے مال کی دو تہائی خیرات کر دوں آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا نصف؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر میں نے عرض کی کیا ایک تہائی خرچ کر دوں؟ آپ نے فرمایا (ہاں) گو ایک تہائی بھی زیادہ ہے۔ تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جاؤ اس سے بہتر ہے کہ انھیں فقیر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں اور جو تم رضامندی سے اللہ کے لیے خرچ کرو گے اس کا تمہیں ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بی بی کے منہ میں دو گے اس کا بھی ثواب ملے گا [3]

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل : ۳۱

[2] صحیح بخاری شریف (مترجم) جلد اول، باب الاستقراض واداء الدیون والحجر والتفلیس ص۸۳، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

[3] صحیح بخاری شریف (مترجم) جلد اول، کتاب الجنائز ص ۴۹۲

اولاد کو پیار کرنا اور اس سے محبت کا اظہار کرنا بھی اُسوہ حسنہ ہے جس کا اندازہ ذیل کی حدیث مبارکہ سے واضح ہے:

عن ابی ھریرۃ قال ابصر الاقرع بن حابس النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقبل الحسن وقال ابن عمر الحسن او الحسین فقال ان لی من الولد عشرۃ ما قبلت احداً منھم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ من لا یرحم لا یرحم[۱]

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اقرع بن حابس نے رسول اللہ کو حضرت حسنؓ کا بوسہ لیتے دیکھا اور ابن ابی عمر کہتے ہیں کہ حضرت حسنؓ اور حسینؓ دونوں کا بوسہ لیتے دیکھا اور اقرع بن حابس نے یہ دیکھ کر کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں میں نے ان میں سے ایک کا بھی بوسہ نہیں لیا یہ سن کر رسول اللہؐ نے فرمایا سچی بات یہ ہے کہ جو رحم نہیں کرتا اس پہ رحم نہیں کیا جاتا۔

بخشش اور عطیے میں اولاد کے مابین مساوات قائم رکھنا ضروری ہے۔ اس کی دلیل اسلامی ثقافت کے بانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے:

عن النعمان بن بشیر ان اباہ نحل ابناً لہ غلاماً فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشھدہ فقال اکل ولدک قد نحلتہ مثل ما نحلت ھذا قال لا قال فاردہ ھذا حدیث حسن صحیح[۲]

نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے اپنے ایک لڑکے کو ایک غلام عطیے میں دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانے آئے آپ نے فرمایا جیسا تم نے اس کو دیا ہے ویسا ہی اپنے سب لڑکوں کو بھی دیا ہے انھوں نے کہا جی نہیں آپؐ نے فرمایا تو اس کو واپس لے لو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

---

[۱] جامع ترمذی شریف (مترجم)، جلد اول، ابواب البر والاحسان ص ۸۱۸، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

[۲] جامع ترمذی شریف (مترجم) جلد اول، ابواب الاحکام، ص ۶۲۰، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

جہاں اسلام اولاد کے ساتھ محبت و شفقت اور مساوی سلوک کرنے کی تلقین کرتا ہے وہاں یہ بھی حکم دیتا ہے کہ ان کی تربیت سے غفلت نہ برتی جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ما نحل والدٌ ولدًا من نحل افضل من ادبٍ حسنٍ [1]

کسی باپ نے اپنے بیٹے کو حسن ادب سے اچھا عطیہ نہیں دیا۔

یوں تو اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک شرعاً مستحسن ہے ہی لیکن لڑکیوں کے ساتھ حُسن سلوک کہیں زیادہ موجب اجر ہے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من عالَ جاریتین دخلتُ انا وھو الجنة کھاتین واشار باصبعیه [2]

جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی میں اور وہ (دونوں) جنت میں اس طرح داخل ہوں گے یہ فرماتے وقت آپؐ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا۔

اولاد کے ساتھ برتاؤ کے سلسلے میں اسلام جس بات کی زیادہ تاکید کرتا ہے وہ ان کے نکاح کرانا ہے۔ تاکہ معاشرہ حسین اور پاکیزہ رہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من وُلد له ولدٌ فلیحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فلیُزوجه فان بلغ ولم یُزوجه فاصاب اثمًا فانّما اثمهٗ علی ابیه [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے ہاں لڑکا پیدا ہو اسے اس کا اچھا نام رکھنا چاہیے اور ادب سکھانا چاہیے اور جب بالغ ہو تو اس کی شادی کرنی چاہیے اگر وہ بالغ ہو اور اس کی شادی نہ کی اور اس نے گناہ کیا تو اس کا گناہ باپ کے سر ہے۔

---

[1] جامع ترمذی شریف (مترجم) جلد اول، ابواب البر والصلة ص ۸۳۔

[2] ایضاً ص ۸۲۔

[3] مشکوٰۃ شریف (مترجم) جلد دوم ص ۷۳، مکتبہ رحمانیہ لاہور

یہ اسلام کا نمایاں کارنامہ ہے کہ اس نے اولاد کے ساتھ حسن سلوک کا درس دیا بلکہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی بُری روایت کو ختم کرکے سوسائٹی کا ممتاز ترین رکن بنایا۔

قرابت داروں کے ساتھ برتاؤ

اسلام نے قرابت داروں کے متعلق تفصیلی ہدایات دی ہیں اور ان کے ساتھ قرابت کا حق ادا کرنے پر زور دیا ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ [۱]

اور ماں باپ کے ساتھ اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

والدین کے بعد انسان کو فطرتاً اپنے رشتہ دار عزیز ہوتے ہیں اس لیے اسلام بھی (چونکہ وہ دین فطرت ہے) والدین کے بعد رشتے داروں ہی کو ہمارے احسان و محبت کا سب سے زیادہ مستحق قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صلہ رحمی کو بجا طور پر غیر معمولی اہمیت دیتا اور ایسے بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت فراواں قرار دیتا ہے۔ یہ امر واقعی بھی ہے کیونکہ صلہ رحمی سے افرادِ نسل انسانی کو محبت و شفقت، ہمدردی و غمگساری، نصرت و معاونت، تحفظ و بقا اور اجتماعی لذت و مسرت ایسی بے بہا نعمتیں اور بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں چنانچہ نسب و صہر کے انسانی رشتوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا مرہونِ منت قرار دیتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا [۲]

اور وہی (رب قدیر) ہے جس نے بشر کو پانی سے پیدا کیا پھر اسے نسب اور سسرال والا بنایا اور تیرا رب قدرت والا ہے۔

ان نسبی اور سسرالی رشتوں کے دائرے جتنے وسیع ہوتے جاتے ہیں ایک طرف انسان کی شخصیت اتنی ہی وسیع و محکم ہو جاتی ہے اور دوسری جانب ان سے خاندان، برادری اور قبیلے کا

---

[۱] سورۃ البقرہ : ۸۳

[۲] سورۃ الفرقان : ۵۴

نظام وجود میں آتا ہے۔ غرضیکہ اسلام کا عائلی و معاشرتی نظام اپنے تمام فوائد و برکات اور رحمتوں کے ساتھ صلہ رحمی کا مرہونِ منت ہے لہذا اسلام صلہ رحمی کے احترام کا حکم دیتا اور اسے توڑنے سے منع کرتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے :

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا [1]

اے افرادِ نسلِ انسانی اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں نفس واحد سے پیدا کیا اور اُسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کیا پھر اُن سے ایک بڑی تعداد مرد اور عورت کی پیدا کرکے پھیلائی۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام پر باہم دگر سوال کرتے ہو اور صلہ رحمی کے توڑنے سے بچو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارا نگرانِ حال ہے۔

جہاں تک احادیثِ رسول کا تعلق ہے ان میں بھی صلہ رحمی کی اہمیت اور رشتے داروں کے ساتھ احسان کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے نیز صلہ رحمی کی اصل حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے آپ نے بڑے مؤثر و دلچسپ اندازِ بیان اختیار فرمائے ہیں :

عن عبد الرحمٰن بن عوفؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تبارک وتعالیٰ انا اللہ وانا الرحمٰن خلقت الرحم وشققت لها من اسمی فمن وصلها وصلته ومن قطعها بتته [2]

عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اللہ ہوں رحمٰن ہوں۔ میں نے رحم یعنی

---

[1] سورۃ النساء : ۱

[2] مشکوٰۃ شریف (مترجم) جلد دوم ص ۴۰۴، مکتبہ رحمانیہ لاہور

رشتے کو پیدا کیا ہے اور رحم کو اپنے نام رحمٰن سے نکالا ہے لہٰذا جو شخص رشتے ناتے کو ملاتا ہے میں اُسے اپنے ساتھ ملاتا ہوں اور جو رشتے ناتے کو توڑتا ہے میں اسے اپنے سے علیحدہ و دُور کر دیتا ہوں۔

ظاہر ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنا مقرب بنائے اس سے زیادہ خوش نصیب وکامران اور کون شخص ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے سے علیحدہ اور دُور کر دے اس سے زیادہ حرماں نصیب و نامراد کوئی شخص نہیں ہو سکتا یہ حرماں نصیبی و ناکامی کیا ہے؟ یہ جنت سے محرومی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ یہ محرومی و نامرادی اس شخص کے حصے میں آتی ہے جو صلہ رحمی کو قطع کرتا ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یدخل الجنة قاطعٌ [1]

قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

رشتے داروں سے حسن سلوک کرنے کی بجائے ان سے قطع رحمی کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کا اندازہ آپ کی اس حدیث پاک سے بخوبی کیا جا سکتا ہے:

عن عبد اللہ بن ابی اوفیٰ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تنزل الرحمة علی قوم فیهم قاطع رحم [2]

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں قاطع رحم ہو۔

جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے۔ رشتے داروں سے حسن سلوک کرنے کا اجر یہاں بھی ملتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

تعلّموا من انسابکم ما تصلون به ارحامکم فانّ صلة

---

[1] صحیح بخاری شریف (مترجم) جلد سوم، کتاب الادب ص ۲۵۶، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

[2] مشکوٰۃ شریف (مترجم) جلد دوم ص ۴۰۴، مکتبہ رحمانیہ لاہور

الرّحم محبة فی الاهل مثراة فی المال منساة فی الاثر[1]
اپنے نسب سیکھو تاکہ صلہ رحمی کر سکو اقارب میں صلہ رحمی کرنا اقربا میں محبت،
مال میں کثرت اور اجل میں تاخیر کا سبب ہے۔

بیوی کے ساتھ برتاؤ

انسانی سوسائٹی میں زن و شوہر کے تعلقات بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہی تعلقات پر گھر کی عافیت خاندان کی عزت اور کنبہ کے وقار کا انحصار ہے۔ ذاتی طور پر بھی میاں کیلیے بیوی کا اور بیوی کیلیے شوہر کا وجود سکون واطمینان عافیت اور نشاط خاطر کا سبب ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات بہت نازک ہوتے ہیں ایک طرف عورت ہے جو بے انتہا حساس ہوتی ہے دوسری طرف مرد ہے جو عام طور بیوی کو اپنا دست نگر اور محتاج سمجھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ دبانے اور زیردست کرنے کی کوشش کرتا ہے یہی کش مکش آگے چل کر بہت بڑے فتنہ کا سبب بن جاتی ہے۔ بدقسمتی سے دوسرے مذہبوں اور ملتوں میں عورت اور مرد کے تعلقات کی جو وضاحت ملتی ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد غیر مسئول اقتدار و امتیاز کا حامل ہے اور عورت صرف اس لیے ہے کہ صبر جمیل کرکے زندگی گزار دے لیکن اسلام صاف، واضح اور غیر مشتبہ الفاظ میں میاں بیوی کے تعلقات کی وضاحت کرتا ہے جہاں تک انسانی حقوق کا تعلق ہے دونوں کے مابین وہ کسی طرح کی تفریق روا نہیں رکھتا۔ عورت کو تاکید ہے کہ شوہر کا گھر سنبھالے، اُس کی اطاعت کرے اور اسکی ناموس کی نگہبانی کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ[2]
نیک عورتیں اپنے خاوندں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں مال اور آبرو کی حفاظت کرتی ہیں۔

حدیث نبوی میں ایسی اطاعت گزار اور باعصمت عورتوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے:

---

[1] جامع ترمذی شریف (مترجم) جلد اول، الباب البر والصلۃ ص ۸۳۸ مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

[2] سورۃ النساء: ۳۴

عن انس رضؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المرأة اذا صلّت خمسها وصامت شهرها واحصنت فرجها واطاعت بعلها فلتدخل من ای ابواب الجنة شاءت لہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت پانچوں نمازیں ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

اسلام نے جہاں عورت کو خاوند کی اطاعت اور مال و آبرو کی حفاظت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے تو وہاں مرد کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ اسے کسی طرح کی تکلیف نہ دے اور اسکے احساسات و جذبات کی پذیرائی کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لہ

اور عورتوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اکمل المؤمنین ایمانًا احسنهم خلقًا وخیارکم خیارکم لنسائهم ۳ہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سب سے زیادہ کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں اور تم میں اچھے وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے اچھے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے متعلق جو احکامات دیے ہیں وہ حکمت سے بھرپور ہیں آپؐ کا یہ ارشاد کتنا جامع اور معنی خیز ہے:

لہ سورۃ النساء: ۳۴

۲ہ مشکوٰۃ شریف (مترجم) جلد دوم ص ۹۵ - ۹۶، مکتبہ رحمانیہ لاہور

۳ہ سورۃ النساء: ۱۹

عن ابی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالنساء خیرًا فانھن خلقن من ضلع وان اعوج شیءٍ فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء خیرًا [1]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے حق میں بھلائی کرنے کی میری وصیت قبول کرو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئیں ہیں اور پسلی میں سب سے ٹیڑھی چیز اس کے اوپر کا حصّہ ہے اگر تو اسے سیدھا کرنے لگے گا تو اسے توڑ دے گا اور اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دے گا تو وہ ہمیشہ ٹیڑھا ہی رہے گا عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنا ہی مناسب ہے۔

وعنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المرأۃ خلقت من ضلع لن تستقیم لک علی طریقۃ فان استمتعت بھا استمتعت بھا وبھا عوج وان ذھبت تقیمھا کسرتھا وکسرھا طلاقھا [2]

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے وہ تیرے لیے ایک راہ پر سیدھی نہیں رہے گی اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اسی حالت میں اٹھا اگر تو اس کو سیدھا کرنا چاہے گا تو اس کو توڑ دے گا اور اس کا توڑنا طلاق ہے۔

عورت کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ان کے مہر خوش دلی سے ادا کیے جائیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً [3]

---

[1] صحیح بخاری شریف (مترجم) جلد اول، ابواب الرضاع ص ۵۳۸، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی
[2] مسلم شریف، کتاب النکاح جلد ۴ ص ۱۷۸، طبع مصر
[3] سورۃ النساء: ۴

اور عورتوں کو ان کے مہر بلا بدل دو۔
حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے:

احقّ ما اوفیتم من الشروط ان توفوا بہ ما استحللتم بہ الفروج لہ

تم پر سب شرطوں سے زیادہ نکاح کی شرطوں کے پورا کرنے کا حق ہے جن کی وجہ سے تمہارے لیے اُن کی شرمگاہیں حلال ہوئی ہیں اسلام شوہر کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کے لیے مناسب بندوبست کرے۔
قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ٢ـه

مرد عورتوں کے گذارہ کے ذمہ دار ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ انھوں نے اپنے مالوں سے کچھ خرچ کیا ہے۔
اسلام نے میاں بیوی کے درمیان حقوق و فرائض متعین کر کے ایک صالح اور پاکیزہ خاندان کی بنیاد رکھی ہے اور فریقین کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ وہ اپنے فرائض احسن طریقے سے پورے کریں تاکہ میاں بیوی کے درمیان اختلافات اور جھگڑے پیدا نہ ہوں لیکن پھر بھی اگر میاں بیوی کے درمیان ناراضگی پیدا ہو جائے تو باہمی مصالحت کرانے کی کوشش اسلام پسند کرتا ہے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ط وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ٣ـه

اور اگر عورت کو اپنے خاوند کی زیادتی یا بے رغبتی کا خوف ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ

لہ صحیح بخاری شریف (مترجم) جلد سوم، کتاب النکاح ص ۹۶، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

٢ـه سورۃ النساء: ۳۴

٣ـه سورۃ النساء: ۱۲۸

نہیں کہ وہ آپس میں صُلح کرلیں اور صلح اچھی چیز ہے۔

میاں بیوی کے درمیان اختلافات اس حد تک بڑھ جائیں کہ صُلح و مفاہمت کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو پھر آخری چارہ کار طلاق ہے۔ جسے اسلام حلال چیزوں میں سے مبغوض ترین چیز قرار دیتا ہے۔

پڑوسیوں اور ساتھیوں کے ساتھ برتاؤ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قریبی اور دُور کے ہمسایوں کے لیے احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اُس نے چودہ سو برس پہلے انسان کو حقوقِ انسانی کا شعور دیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ [1]

اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور قرابت داروں کے ساتھ بھی اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسی اور دُور کے پڑوسی اور پاس والے ساتھی اور مسافر کے ساتھ بھی۔

پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت کا واضح و جامع تصوّر قائم کرنے کے لیے کتب حدیث کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ماذال یوصینی جبریل بالجار حتٰی ظننت انہٗ سیورثہٗ [2]

جبرائیل علیہ السلام پڑوسی کے لیے مجھے برابر وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ اس کو وارث بنا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمسایوں کے ساتھ احسان کرنے کی تسلسل و کثرت سے تلقین کرنا، حقوق ہمسائیگی کی اہمیت پر دلالت

---

[1] سورۃ النساء : ۳۶

[2] صحیح بخاری شریف (مترجم) جلد سوم، کتاب الاداب ص ۳۶۵

کرتا ہے۔ اس اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔

قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم واللہ لا یومن واللہ لا یومن قیل ومن یا رسول اللہ؟ قال الذی لا یأمن جارہٗ بوائقہٗ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اللہ کی ایمان نہیں لاتا، قسم ہے اللہ کی ایمان لاتا، عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون شخص ایمان نہیں لاتا فرمایا وہ شخص جس کے ہمسائے اس کی برائیوں سے محفوظ نہ ہوں۔

اسلامی معاشرے میں ہمسایوں کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ ان سے احسان و محبت کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبولؐ سے محبت کرنا ہے چنانچہ حدیث نبویؐ ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

من سرّہٗ ان یحب اللہ ورسولہٗ أو یُحبہٗ اللہُ ورسولہٗ فلیصدق حدیثہٗ اذا حدّث ولیودا مانتہٗ اذا ائتمن ولیحسن جوار من جاورہٗ [2]

جس شخص کو یہ بات اچھی لگے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھے یا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت کرے اسے چاہیے کہ وہ اپنی گفتگو میں سچ بولے اس کے پاس امانت رکھی جائے تو امانت کو ادا کرے اور جس کا ہمسایہ بنے اس کی ہمسائیگی اچھی کرے۔

اسلامی معاشرے کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس کا ہر فرد اپنی وسعت کے مطابق اپنے مفلوک الحال پڑوسیوں کی معاشی حالت کا خیال رکھنے اور ان کی روزی کا بندوبست کرنے کا ذمہ دار ہے اسلام کو یہ بات ہرگز گوارا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ بھوکا پڑا ہوا اور اس کا ہمسایہ اس کا پیٹ بھرنے کی بجائے خود اپنا پیٹ بھر کر اس سے غافل و بے نیاز ہو جائے۔ حدیث پاک ہے:

عن ابن عباسؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحیح بخاری شریف (مترجم) جلد سوم، کتاب الاداب ص ۳۶۵

[2] مشکوٰۃ شریف (مترجم) جلد دوم، باب الشفقۃ الرحمۃ علی الخلق ص ۴۵۲

يقول ليس المؤمن بالذى يشبع وجاره جائع إلى جنبه[1]

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا وہ شخص مومن نہیں جو خود سیر ہو کر کھاتا ہے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہتا ہے۔

یتیم، مسکین، مسافر اور سائل کے ساتھ برتاؤ

اسلام نے سوسائٹی کے کسی گروہ اور کسی فرد کو بھی شفقت و رحمت، عدل و احسان اور رافت و مروت سے محروم نہیں رکھا۔ سوسائٹی کے جن قابل امداد طبقوں کو ہم نے اس عنوان میں شامل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد دفعہ ان سب کا ذکر تقریباً ایک ہی سلسلہ کلام میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی اور ایمان کا معیار یہ قرار دیا ہے انسان ضرورتمندوں کی دست گیری اور اعانت میں کسی طرح کا تامل نہ کرے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ[2]

بلکہ (اصل) نیکی تو ان کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور مال اللہ کی محبت پر رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں، مسافروں اور مانگنے والوں کو دے اور گردنوں کے چھڑانے میں بھی۔

اسلام یتامیٰ کے ساتھ حسن سلوک اور حفاظت و نگہداشت کا حکم دیتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یتیموں کے ساتھ بہت پیار کرتے تھے اور اُن کا دل بہلایا کرتے تھے، یتیموں کے ساتھ محبت و شفقت اور رفق و نرمی آپؐ کا پسندیدہ عمل تھا چنانچہ کتب حدیث میں آپؐ کے سنہری اقوال و افعال ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہیں آپؐ نے یتیم کی کفالت کرنے والے شخص کو جنت کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

---

[1] مشکوٰۃ شریف (مترجم) جلد دوم، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۵۲

[2] سورۃ البقرۃ: ۱۷۷

انا وکافل الیتیم فی الجنۃ ھکذا وقال باصبعیہ السبابۃ والوسطی [1]

میں اور یتیم کی نگرانی کرنے والے جنت میں اس طرح (قریب) ہوں گے اور آپؐ نے سبابہ اور درمیانی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اس کی نزدیکی بتائی۔

اسلامی ثقافت میں یتیم کی کفالت کرنے والے شخص کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا قرب عطا فرما رہے ہیں اور وہ شخص بڑا نیک بخت اور سعادت مند ہے جس کو حضورؐ کی رفاقت نصیب میں آجائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کے اس کمزور اور بے سہارا فرد کی پرورش اور دیکھ بھال کا جو انتظام کیا وہ اسلامی ثقافت کا نمایاں پہلو ہے۔

اسی طرح آپؐ نے یتیم کے مسکین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والے شخص کا بھی اتنا اعلیٰ اور بلند مقام بیان کیا ہے جس کی نظیر دوسری ثقافتوں میں نہیں ملتی۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ او کالذی یصوم النھار ویقوم اللیل [2]

بیواؤں اور مسکین کے لیے محنت کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو دن کو روزے رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔

ضرورت مندوں، محتاجوں اور سوال کرنے والوں کا آپ اتنا خیال کرتے تھے جس کا اندازہ ذیل کی حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔

عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا اتاہ السائل او صاحب الحاجۃ قال اشفعوا فلتوجروا ویقضی اللہ علی لسان رسولہ ما شاء [3]

---

[1] صحیح بخاری شریف (مترجم) جلد سوم، کتاب الادب، ص ۳۶۲

[2] صحیح بخاری شریف (مترجم) جلد سوم ص ۳۶۳

[3] مشکوٰۃ شریف (مترجم) جلد دوم ص ۴۴۵

حضرت ابو موسیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سائل یا ضرورت مند آتا تو فرماتے تم سفارش کرو تاکہ تم کو اجر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان پر جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث نبوی سے معاشرے کے کمزور اور بے سہارا افراد کی پرورش اور دیکھ بھال سے متعلق جو ہدایات بیان کی گئیں ہیں ان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام اس کمزور طبقے کے لیے کتنی ہمدردی اور دل جوئی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

مسلمان کا آپس میں برتاؤ

اسلام نے مسلمانوں کو وحدت اور اخوت کی لڑی میں پرو دیا ہے۔ قرآن مجید مسلمانوں کو رشتہ اخوت میں یوں منسلک کرتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ [1]

مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

لہٰذا سب کو ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کی طرح ہمدردی و محبت ہونی چاہیے۔ اس آیت قرآنی سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ عقیدہ توحید ایک فعال قوت کی شکل میں تمام مسلمانوں کے معتقدات و افکار اور جذبات و احساسات میں وحدت پیدا کرتی ہے جس کی بدولت تمام اہل ایمان کی سوچ ایک، نصب العین ایک، سود و زیاں ایک اور دکھ سکھ ایک ہو جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المؤمنون کرجلٍ واحدٍ ان اشتکیٰ عینہٗ اشتکیٰ کلہٗ وان اشتکیٰ راسہٗ اشتکیٰ کلہٗ [2]

سارے مومن شخصِ واحد کے مانند ہیں جب آنکھ دکھتی ہے تو سارا جسم دکھتا ہے اور جب سر میں درد ہوتا ہے تو سارا جسم اس کی تکلیف محسوس کرتا ہے۔

---

[1] سورۃ الحجرات: ۱۰

[2] مشکوٰۃ شریف (مترجم) جلد دوم ص ۴۴۵

پیغمبر اسلام نے توحید کی اس قوت اور اس کے اثرات کو واقفیت کے طور پر پیش کیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

تری المؤمنین فی تراحمھم وتوادّھم کمثل الجسد اذا اشتکیٰ عضوًا تداعی لہ سائر جسدہٖ بالسھر والحمیٰ لہ

تو مومنوں کو آپس میں رحم کرنے، محبت رکھنے اور مہربانی کرنے میں جسم کی طرح پائے گا جب جسم کے کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو جسم کے کل اعضاء اس کی تکلیف میں شریک ہو جاتے ہیں نیز بیداری اور بخار کی حالت میں سارا جسم شریک رہتا ہے۔

توحید کی قوت سے مومنوں کے معتقدات و افکار اور جذبات و احساسات میں وحدت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ وحدت ان کے اتحاد و اتفاق کی بنیاد بن جاتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حقیقت اس طرح آشکارا کی ہے۔

المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہٗ بعضًا ثم شبک بین اصابعہٖ [۲]

مؤمن مؤمن کے لیے مکان کی مانند ہیں مکان کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے بتایا کہ سارے مسلمان اس طرح باہم مربوط ہیں۔

ان احادیث طیبہ سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ جس اسلامی معاشرے میں اخوت و محبت اور اتفاق و اتحاد نہیں وہ حقیقت میں اسلامی معاشرہ ہے نہ اس کے افراد مومن ہیں وجہ یہ ہے کہ ایمان و توحید کا فطری نتیجہ اخوت و محبت اور اتحاد و اتفاق ہے اس حقیقت کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو سچا مومن بنانے کی خاطر انہیں ایک دوسرے کا معاون و مددگار ہونے کی تلقین فرماتے ہیں:

---

[۱] صحیح بخاری شریف (مترجم) جلد سوم، کتاب الآداب ص ۳۶۴

[۲] ایضاً ص ۳۶۸

[۳] مشکوٰۃ شریف (مترجم) جلد دوم ص ۴۴۶

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم انصُرْ اخاك ظالمًا او مظلومًا فقال رجُل یا رسولَ اللہ انصرہٗ مظلومًا فکیف انصرہٗ ظالمًا قال تمنعہٗ من الظلم فذالك نصرك ایاہٗ [1]

رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم ایک شخص نے عرض کیا یا رسول مظلوم کی مدد تو میں کرتا ہوں ظالم کی مدد کیوں کر کروں آپؐ نے فرمایا تو اسے ظلم کرنے سے روک۔ تیرا اسے ظلم سے باز رکھنا ہی اس کی مدد کرنا ہے۔

اسلام اپنے پیروکاروں میں اتنی اخوت و محبت دیکھنا چاہتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے وہی سوچے اور پسند کرے جو وہ اپنے لیے سمجھتا اور پسند کرتا ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یومن احدکم حتّٰی یحبّ لاخیہ ما یحبُّ لنفسہٖ [2]

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔

حقیقت یہی ہے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے تو پھر اس اخوت کا فطری تقاضا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی تکریم اور احترام کرے ان کی عزت و آبرو اور جان و مال کا محافظ ہو۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

المسلم اخوا المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہٗ التقویٰ ھٰھُنا ویُشیر الی صدرہ ثلٰث مرارٍ بحَسب امرئٍ من الشرّ ان یحقر لہ اخاہُ المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہٗ وعرضہٗ [3]

---

[1] مشکوٰۃ شریف (مترجم) جلد دوم ص ۴۴۶

[2] صحیح بخاری شریف (مترجم) جلد اول، کتاب الایمان، ص ۹۱، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

[3] مشکوٰۃ شریف (مترجم) جلد دوم ص ۴۴۶

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے کوئی مسلمان کسی مسلم پر نہ تو ظلم کرے نہ اس کو رسوا ہونے دے اور نہ اس کو ذلیل و حقیر ہی سمجھے تقویٰ اس جگہ ہے یہ فرماکر آپ نے تین مرتبہ سینے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا انسان کے لیے اتنی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر و ذلیل جانے۔ مسلمان کی کل چیزیں مسلمان پر حرام ہیں یعنی مسلمان کا خون، مسلمان کا مال اور مسلمان کی عزت و آبرو۔

اللہ تعالیٰ کو مومن کی عزت و آبرو بڑی عزیز ہے لہٰذا جو مومن دوسرے مومن کی اس سلسلے میں مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کی جب وہ چاہے اور جہاں چاہے اس کی مدد کرتا ہے اسکے برعکس جو ایسا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کی بھی مدد نہیں کرتا۔ حدیث نبوی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من امرئ یخذل امرأ مسلمًا فی موضع ینتہك فیہ حرمتہ وینتقص من عرضہ وینتہك فیہ من حرمتہ الا نصرہ اللہ فی موطن یحب نصرتہ[۱]

نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی اس موقع پر مدد نہیں کرتا جہاں اسکی بے حرمتی کی جاتی ہو یا اس کی آبرو ریزی کی جاتی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد اس موقع پر نہیں کرے گا جہاں وہ شخص اس کی مدد کا خواستگار ہو اور جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی ایسے موقع پر مدد کرے جہاں اس کی بے عزتی کی جاتی ہو یا آبرو ریزی کی جاتی ہو اللہ تعالیٰ اس کی مدد اس موقع پر کرے گا جہاں وہ اس کی مدد کا خواستگار ہو۔

اسلام احسان و محبت، صلح و آشتی، امن و سلامتی اور اخوت و اتحاد کی ہمہ گیر تحریک ہے یہ تحریک چونکہ فطری ہے یعنی فطرت انسانی کا اساسی داعیہ ہے اس لیے انسان اپنے اس فطری داعیہ کو ایک نہ ایک دن ضرور پورا کرکے ہی رہے گا اسلام کی اس بنیادی و امتیازی خصوصیت کی بنا پر اگر اسلامی ثقافت کو فطری و عالمگیر کہا جائے تو یہ مبالغہ نہیں حقیقت کا اظہار ہوگا۔

---

[۱] سنن ابی داؤد شریف (مترجم) جلد سوم، باب الرجل یذب عن عرض اخیہ، ص ۵۵۶

اَب آئیے اسلامی ثقافت کے بیان کردہ پہلوؤں پر اس نظر سے غور کریں کہ اسلامی ثقافت نے عروج کی منزلیں کیسے حاصل کیں اور کس طرح اس نے دوسری ثقافتوں کو زیر کیا تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بنی نوع انسان کے لیے ایک عظیم احسان ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے وہ اس احسان کے مقابلے میں کم ہے۔ اس حقیقت کے متعلق قرآن مجید یوں ارشاد فرماتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [۱]

اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر عظیم احسان ہے کہ اُن ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں آیات (قرآنی) پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک و صاف کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

آپؐ نے اسلامی ثقافت کی بنیاد رکھی اور بنی نوع انسان کو زندگی کے تصوّر سے روشناس کرایا۔ اسلامی ثقافت نے انسان کو کائنات کا اہم جزو ٹھہرایا اور اسے اعلیٰ وارفع مقام پر فائز کیا۔ آپؐ نے قرآنی احکامات سے بھٹکی ہوئی قوم کو سیدھے راستے پر گامزن کیا۔ آپ کی لائی ہوئی شریعت نے انسانیت کے عقائد و افکار میں دُور رس تبدیلیاں رُونما کیں آپؐ نے بنی نوعِ انسان کو ایسے نظامِ عبادات سے سرفراز کیا جس سے ان میں مساوات و ہمدردی، محبت و ایثار اخوت و بھائی چارہ اور تقویٰ و خدا خوفی جیسے اوصاف حمیدہ پروان چڑھے۔

شریعت مطہرہ نے ان کا تزکیہ نفس کیا اور ان کے کردار و خصائل میں حسن اور نزاکت پورے عروج سے جلوہ افروز ہوئی۔ اسلام کے نظام اخلاق سے انسانیت کو مزین کیا گیا پھر آپؐ کی تعلیمات نے اصول معاشرت سے روشناس کیا اور معاشرتی زندگی کے تمام شعبوں کے آداب و اطوار سکھائے گئے۔ معاشی و سیاسی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں لائی گئیں۔ کسب معاش اور صرف

---

[۱] سورۃ آل عمران : ۱۶۴

دولت کے راہنما اصول پیش کئے گئے۔ معاشی تحفظ کا انتظام و انصرام عمل میں لایا گیا۔ تدبیرِ منزل اور طریقِ سیاست کے سنہری اصولوں کو متعارف کرایا گیا۔ انسانی بنیادی حقوق کے تحفظ کو یقینی اور قابلِ عمل بنایا گیا۔ غرضیکہ قلیل اور مختصر وقت میں اسلامی ثقافت نے اپنی حریف اور مخالف ثقافتوں کو نیچا کر دیا اور اپنی فیوض و برکات سے عالمِ کائنات کو منور کر دیا۔

اسلامی ثقافت کا مفہوم

اسلام مکمل نظامِ زندگی ہے اور اس پورے نظامِ زندگی کا فکری حصّہ اسلامی تہذیب ہے اسلامی تہذیب کے متعلق فیضی نے یوں کہا ہے: اسلامی تہذیب سے تین چیزیں مُراد ہیں۔

اوّل: بلند ترین فکری سطح اور معیار جو اسلامی حکومت کے کسی دور میں پیدا ہوا ہو۔

دوم: تاریخی لحاظ سے وہ کامرانی جسے اسلام نے ادب، سائنس اور آرٹ کے میدان میں حاصل کیا۔

سوم: مسلمانوں کا طریقِ زندگی، مذہبی عمل، زبان کے استعمال اور معاشرتی رسوم و رواج کے خصوصی ربط کے ساتھ۔ [1]

زبیر صدیقی صاحب نے بھی اسلامی تہذیب کے دو مفہوم بیان کیے ہیں جن میں ایک فکری ہے اور دوسرے میں ادب سائنس، زبان اور نظمِ معاشرت وغیرہ سب آجاتے ہیں لیکن ہمارے پیشِ نظر پہلا مفہوم ہے اس کے متعلق ان کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں۔

"اسلامی ثقافت جہاں تک میں سمجھا ہوں ایک مخصوص ذہنی مسلک کی نشاندہی کرتی ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے مرتب ہوتا ہے مثلاً وحدۃ ربانی، عظمت انسانی اور وحدۃ نسل انسانی کا عقیدہ [2]

اس نقطہ نظر سے انسان کی فکری زندگی متصور ہوتی ہے اور اس نور سے پوری نسل انسانی روشن ہو جاتی ہے۔ اسلامی تہذیب دراصل روشنی کا مینار ہے جس سے اسلامی تمدن وجود پذیر

---

[1]

[2]

ہوتا ہے یہی وہ مینار ہے جس نے پوری دنیا کی تہذیبوں کو اپنے اندر سمیٹا اور متاثر کیا ہے۔

اسلامی ثقافت کی روح

اسلامی ثقافت سے مُراد اعلیٰ نظریات، بلند نصب العین اور معاشرتی و اخلاقی اقدار ہیں اور اس ثقافت کی روح وہ بنیادی اصول ہیں جن پر ہمارے ثقافتی ڈھانچے کی استواری کا دار و مدار ہے۔ ذیل کے اصولوں کو اسلامی ثقافت کی روح قرار دیا جا سکتا ہے:

۱۔ وحدت ربانی: توحید یا وحدت ربانی سے مُراد اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا پختہ یقین ہے۔ توحید مثبت اور منفی تصوّر پر مبنی ہے۔ مثبت یہ ہے کہ وہ ایک موجود ہے اور منفی یہ ہے کہ اُس جیسا اور کوئی نہیں وہ نظام کائنات میں اکیلا، با اختیار قادر مطلق، فعال لما یرید اور حکم علی الاطلاق ہے۔

اسلام کا تصوّر توحید تین حقائق پر مبنی ہے۔ اول۔ الوھیۃ کا تصور، دوم۔ تمام اشیاء سے اس کی نفی، سوم۔ فقط اللہ کے لیے ان کا ثبات۔ اس میں اصل چیز الوھیۃ کا تصوّر ہے۔ گو اللہ کا تصوّر کسی نہ کسی صُورت میں مختلف اقوام و مذاہب کے ہاں موجود ہے لیکن کہیں بھی اس قدر صحیح اور مکمل نہیں مثلاً اسے عقل اول، علۃ العلل یا قوت یا خوف وہیبت کی چیز قرار دیا گیا ہے بلکہ بعض لوگوں نے تو اللہ کو قابلِ تجزیہ و تقسیم تسلیم کیا ہے کہیں اس کے ساتھ سلسلہ نسب وابستہ کیا گیا ہے تو کسی جگہ اس کو تجسّم و تشبیہ سے آلودہ کیا گیا ہے لیکن اسلام نے الوھیۃ کے ان ناقص تصوّرات کو چھوڑ کر ایسا کامل تصوّر پیش کیا ہے جس کا آغاز تقدیس و تمجید سے ہوتا ہے اس نے اس کی ذات و صفات کے ایسے مجموعے سے متعارف کرایا جس میں نقص اور غلطی کا کوئی گمان تک نہیں رہتا مثلاً اللہ وہ ہے جو بے نیاز ہے۔ قیوم ہے، جس کا علم لامحدود ہے جس کی رحمت سب پر وسیع ہے جس کی طاقت سب پر غالب ہے، جس کی حکمت و عدل میں کوئی نقص نہیں۔ زندگی بخشنے والا اور وسائل حیات مہیا کرنے والا ہے، نفع و ضرر کی سب قوتیں اسی کے پاس ہیں حساب و کتاب اور جزا و سزا کا اختیار اُسی کو ہے اس کی الوھیۃ ابدی و ازلی ہے، جملہ صفات کمال اس کی ذات میں جمع ہیں اور اس کی کسی صفت میں نقص کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کامل تصوّر کے بعد کائنات کی تمام اشیاء سے اس کی نفی کی گئی ہے چونکہ کائنات کی کسی شئے کے

اندر ایسی صفات نہیں ہیں اس لیے کوئی شئے بھی اللہ بننے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ انسان، فرشتے جن اور مظاہر فطرت غرضیکہ دوسرا کوئی بھی اللہ کہلانے کے قابل نہیں اس کے بعد تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ صرف اللہ ہی اللہ ہے اور کوئی نہیں کیونکہ ان اعلیٰ صفات و اختیار کی حامل اور کوئی ہستی نہیں اور عقل اس امر کی متقاضی ہے کہ ایسی ذات کو تسلیم کیا جائے جو مدار کائنات ہے۔

توحید اگر اسلامی ثقافت کی روح حیات ہے تو شرک اس کی موت ہے اس لیے اسلام نے شرک کی ہر خفی و جلی شکل کو اپنی ثقافت میں حرام و ممنوع قرار دیا ہے۔ شرک اتنا سنگین، گھناؤنا اور بڑا ظلم و گناہ ہے کہ سب گناہوں میں فقط یہی ایک گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا جبکہ باقی سب گناہوں کو اگر وہ چاہے تو معاف کر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا[1]

بے شک اللہ تعالیٰ اس (جرم و گناہ) کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس (گناہ) کے علاوہ جس گناہ کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ یقیناً ایک بہت بڑا گناہ افترا کرتا ہے۔

۲۔ رسالت:

رسالت کے معنی پیغام پہنچانے کے ہیں لیکن اس سے مراد وہ منصب ہے جس کے ذریعے ایک بندہ خاص لوگوں تک احکام پہنچاتا ہے۔ نسل انسانی کی رہنمائی کے لیے بے شمار افراد منصب رسالت و نبوت پر فائز کیے گئے۔ انبیاء کا سلسلہ نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لیے ختم ہوا کہ آپ کو پوری انسانیت کے لیے نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا۔ نبوت انسان کی عقلی و فکری ضرورت ہے انسانی زندگی اس کی اتنی ہی محتاج ہے جتنی خوراک و آسائش کی بلکہ اس سے بھی زیادہ انسان اپنی اجتماعی زندگی میں اصول و قوانین کا محتاج ہے کیونکہ اس کی اچھی زندگی کا دارومدار انہی

---

[1] سورۃ النساء: ۴۸

اصولوں پر ہے اس کے جتنے اچھے اصول ہوں گے اتنی ہی اچھی اس کی زندگی ہوتی جائے گی۔

انسانی زندگی کی رہنمائی اور اصول و قوانین کی صحیح تشکیل صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے اور انہیں متعارف کرانے کا واحد ذریعہ رسالت ہے۔ رسول اپنی خصوصی صلاحیتوں، مخصوص تربیت اور خدائی نگرانی کے سبب عام انسانوں سے منفرد ہوتا ہے اسمیں خواہشات و مفادات کے لیے وہ دلچسپی نہیں ہوتی جو عام انسانوں میں ہوتی ہے اس لیے وہ اصول حاصل کرتا ہے اور ملکۂ نبوت کے فیض سے ان کی فروعی تشریح کرتا ہے۔ ان اصولوں میں ذاتی تاثیر، ملکی، وقتی اور نسلی اثرات نہیں ہوتے اور یہ اصول سب کے لیے یکساں ہوتے ہیں۔

انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں وحدت فقط عقیدہ رسالت کے سبب پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ یہاں قوانین و اصول ایک بالاتر ہستی سے ایک معصوم ذات کی وساطت سے انسانی زندگی تک پہنچتے ہیں جن پر ماحول، معاشرہ، انفرادی و اجتماعی تعصّب کی پرچھائیں نہیں پڑتیں۔ جو تہذیب اس عقیدے پر پروان چڑھے اس میں وحدت و یگانگت ہوتی ہے چونکہ زندگی کے تمام مسائل ایک ہی راہ سے آرہے ہوتے ہیں اس لیے ان میں اختلاف کی گنجائش کم ہوتی ہے انسانی اجتماعیت کے لیے رسالت ہی بہترین ذریعہ وحدت ہے اس میں غلطی کا امکان بھی نہیں جبکہ کسی انسانی ساخت کے اصولوں کے متعلق اس یقین کے ساتھ بات نہیں کہی جا سکتی۔

قرآن مجید نے اس کی نشاندہی کی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [1]

اور بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدون واقفیت اور بدون دلیل اور کسی روشن کتاب کے تکبّر کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

---

[1] سورۃ الحج: ۸ - ۹

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ[1]

بلکہ ان ظالموں نے بلا دلیل اپنے خیالات کا اتباع کر رکھا ہے ۔

اس کے بعد قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ انسانی رہنمائی کے اصول اللہ کی طرف سے آتے ہیں جنہیں وہ الہام کے ذریعے انسانوں تک پہنچاتا ہے اور جو لوگ مرکز وحی و الہام رہے ہیں خصوصی صفات سے متصف کیا گیا ہے ۔ قرآن کریم نے اس وحی کو علم و حکمت قرار دیا اور یہ واضح کیا کہ وحی و الہام کے بغیر کسی کے پاس یقینی علم نہیں ہے قرآن میں آتا ہے :

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا[2]

اے میرے ابا جان میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا تو آپ میرے کہنے پر چلو میں آپ کو سیدھا راستہ بتلاؤں گا ۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ[3]

اور اگر آپ ان کے نفسانی خیالات کو اختیار کر لیں اس کے بعد کہ آپکے پاس علم آئے تو یقیناً آپ (نعوذ باللہ) ظالموں میں شمار ہونے لگیں ۔

قرآن حکیم نے دراصل ایک تقابلی جائزہ پیش کیا ہے ایک طرف وہ تہذیب ہے جس کی بنیاد ظن و تخمین ہے اور دوسری طرف وہ تہذیب ہے جس کی بنیاد یقین، علم اور حکمت پر ہے کسی زندہ تہذیب کے لیے جاندار روح صرف رسالت ہی ہو سکتی ہے ۔ رسالت کے بغیر تہذیب ادھوری بے بنیاد اور بے رُوح ہو گی ۔ تصوّر رسالت سے اسلامی تہذیب کو پائداری نصیب ہوئی ۔ انبیاء کرام کا طویل سلسلہ دراصل اسی تہذیب کی روحانی حیات کا مظہر ہے پھر نبی رحمت ﷺ

---

[1] سورۃ الروم : ۲۹

[2] سورہ مریم : ۴۳

[3] سورۃ البقرہ : ۱۴۵

کو آخری نبی بنا کر بھیجا تو اسلامی تہذیب کو آخری زندہ جاوید اور متحرک تہذیب بنایا جس طرح آنحضرتؐ کی رسالت تمام رسالتوں کی جامع ہے اسلامی تہذیب بھی تمام تہذیبوں کی جامع ہے۔ اسلامی تہذیب کی اہم بنیاد عقیدۂ رسالت ہے اور اس کی تکمیل حضورؐ کی خصوصی حیثیت کو تسلیم کرنے سے ہوتی ہے۔ حضورؐ کی خصوصی حیثیت کو قرآن نے چار طریقوں سے بیان کیا ہے۔ ۱۔ دعوت عام ۲۔ تکمیل دین۔ نسخ ادیان سابقہ۔ ۴۔ ختم نبوت۔

ان چار عناصر سے رسالت محمدیؐ کی وضاحت ہوتی ہے ان میں سے کسی جز کا انکار تصور رسالت کو ناقص کر دیتا ہے۔

آنحضرتؐ تمام انسانیت کے راہنما ہیں[۱]۔ آپؐ نے دین کی تکمیل کر دی ہے[۲]۔ آپؐ کی موجودگی میں کسی اور نبی پر تفصیلی اور اتباعی ایمان نہیں لایا جا سکتا[۳]۔ آپؐ کی ذات پر ہر قسم کی نبوت ختم ہے[۴]۔ کیونکہ آپؐ کی ذات ہی تہذیبی رہنما کا کام دے گی اگر نئی نبوت تسلیم کی جائے تو پہلی تین خصوصیات بھی ختم ہو جائیں گی نیز اسلامی تہذیب کو نئی راہنمائی کی ضرورت لاحق ہو جائے گی[۵]۔

یہ اجزاء رسالت محمدیؐ کے لازمی حصے ہیں اور ان ہی پر اسلامی تہذیب کی عالمیت، وسعت، ابدیت اور پائیداری کا دار و مدار ہے خدانخواستہ ان میں سے اگر کوئی ایک بھی چھوٹ جائے تو اسلامی تہذیب کی روح ناقص ہو جائے گی۔

۳۔ **عظمتِ انسانی**: عظمتِ انسانی اسلامی تہذیب کی جان ہے انسان معزز و محترم ہے اسے ذلیل نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی عظمت دو طرح کی ہے ایک ذاتی اور دوسری اضافی۔ ذاتی عظمت اس اعتبار سے کہ اس کی شخصیت کو اس کائنات میں نمایاں مقام دیا گیا ہے اس کی

۱۔ قرآن مجید کی یہ آیات اس مفہوم کو واضح کرتی ہیں: (۱) سورۃ الاعراف: ۷/۱۵۸ (۲) سورۃ السبا: ۳۴/۲۸۔ (۳) سورۃ النساء: ۴/۱۷۰ (۴) سورۃ الانبیاء: ۲۱/۱۰۷ (۵) سورۃ الفرقان: ۲۵/۱

۲۔ قرآن پاک کی یہ آیات اس مفہوم کو واضح کرتی ہیں: (۱) سورۃ التوبہ: ۹/۳۳ (۲) سورہ المائدہ: ۵/۳

۳۔ قرآن پاک کی یہ آیات اس مفہوم کو واضح کرتی ہیں: (۱) سورۃ المائدہ: ۵/۱۵ (۲) سورۃ الاعراف: ۷/۱۵۷

۴۔ سورۃ الاحزاب: ۴۰

۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی"، للمودودی

صلاحیتیں اس کا وجود اور اس کی ساخت مختار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ قرآن و سنت نے انسان کی اس حیثیت کو پیش کیا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ [۱]

ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

خلق اللّٰہ اٰدم علی صورتہ [۲]

اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

اضافی عظمت یہ ہے کہ انسان اس کائنات میں اللہ کا نائب ہے اس لیے ساری مخلوق سے اونچا ہے قرآن مجید نے اس کی یہ عظمت بیان کی ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً [۳]

اور جس وقت تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب ضرور بناؤں گا۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ [۴]

اور وہ ذات ہے جس نے تم کو زمین میں صاحب اختیار بنایا اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا تاکہ تم کو آزمائے۔

اسلامی تہذیب نہ صرف یہ کہ انسانی عظمت کو قبول کرتی ہے بلکہ انسانی معاشرت میں اسے مستحکم کرتی اور فروغ دیتی ہے۔

۴۔ مساواتِ انسانی: عظمت انسانی کے بعد دوسری اہم خصوصیت انسانی مساوات

---

[۱] سورۃ التین: ۴

[۲] البخاری: الجامع الصحیح، کتاب العتق، جلد دوم ص ۱۷۵، مطبوعہ مصر

[۳] سورۃ البقرہ: ۳۰

[۴] سورۃ الانعام: ۱۶۶

انسانی معاشروں میں مدت ہائے دراز سے یہ ظلم ہوتا چلا آرہا ہے کہ کچھ لوگ از خود ہی اشراف بن جاتے ہیں اور انہی جیسے دوسرے لوگ اراذل کہلانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ شرافت و ذلت کے یہ معیار خود ساختہ ہیں اس تقسیم کے اسباب عموماً قوم، نسل، زبان، رنگ اور جغرافیائی حدود ہوتے ہیں۔ اسلام نے ان تمام مصنوعی معیارات کو ٹھکرا کر لوگوں کو یہ بتایا کہ تخلیق کے اعتبار سے سب لوگ برابر ہیں۔ بنیادی انسانی ضروریات اور حقوق مساوی ہیں۔ معاش، معاشرت اور سیاست میں تمام انسان مساوی بنیادی حقوق رکھتے ہیں ہاں اگر کوئی فرق تسلیم کیا جاسکتا ہے تو وہ فقط فکر و عمل اور صلاحیت کا ہے جو انسان بھی اس میدان میں آگے بڑھے وہ اونچا ہوگا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ [1]

اے لوگو ہم نے تمھیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

فتح مکہ کے بعد جو خطبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ بھی مساوات انسانی کی بہترین مثال ہے:

یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ و تفضلھا بالآباء۔ ایھا الناس کلکم من آدم و آدم من تراب لافخر للانساب لا فضل للعربی علی العجمی ولا للعجمی علی العربی ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم [2]

اے اہل قریش۔ اللہ نے تمہاری جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا کی بزرگی کے ناز کو تم سے دور کر دیا اے لوگو تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے تھے نسب کے لیے کوئی فخر نہیں ہے عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے تم میں سے

---

[1] سورۃ الحجرات: ۱۳

[2] ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ جلد ۴ ص ۵۴، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر

سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اسلام نے اونچ نیچ کے سارے امتیازات مٹا دیے اور تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ مساوات انسانی کا اتنا عظیم خیال عملی صورت میں مسلم معاشرے ہی میں ظاہر ہوا۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ جس مساوات انسانی کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس سے مراد ہے معاشرتی اور سیاسی حقوق کی مساوات، بنیادی انسانیت کی مساوات اور ایسی مساوات ہے جو خود ساختہ امتیازات کو یکسر مٹا دے۔ ایسی مساوات نہیں جو غیر فطری اور ناممکن الحصول ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المؤمنون تكافا دمائهم وهم يدٌ على من سواهم ويسعى بذمتهم ادناهم [1]

مومنوں کے خون ایک دوسرے کے برابر ہیں وہ دوسروں کے مقابلے میں ایک ہیں اور ان کا ایک ادنیٰ آدمی بھی ان کی طرف سے ذمہ لے سکتا ہے۔

۵۔ جوابدہی کا تصور: اسلامی ثقافت کے روحانی ڈھانچے کا اہم عنصر جوابدہی کا تصور ہے یہی وہ تصور ہے جو افکار و اعمال کو پاکیزہ رکھتا ہے اور یہی وہ تصور ہے جس کی وجہ سے تقویٰ و احتیاط کا رویہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ تصور مفصل فکری نظام پر مبنی ہے مثلاً کائنات کا موجودہ نظام ختم ہونے والا ہے اس کی جگہ ایک نیا نظام قائم ہوگا۔ یہاں جو کچھ ہوتا ہے اس سے اچھے یا برے نتائج و ثمرات وہاں اصلی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ جزا و سزا کا عادلانہ و رحیمانہ نظام قائم ہوگا اور انسان کی کوئی بات اور کوئی عمل ضائع نہیں جائے گا۔ اس تصور کا اثر انسانی معاشرے کے فکری و عملی پہلوؤں پر بہت گہرا ہوتا ہے۔ قرآن پاک نے کئی ایک مقامات پر لوگوں کی فکری ناپختگی اور عملی کجی کا باعث اس تصور کا نہ ہونا قرار دیا ہے اور مومن کے متوازن ہونے کا سبب اس کے اسی احساس کو بتایا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ

---

[1] سنن ابی داؤد شریف (مترجم) جلد سوم، باب القسامۃ ص ۴۲۳

نَرٰی رَبَّنَا ط لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا [1]

اور جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے کی اُمید نہیں کرتے (بوجہ اس کے کہ اس کے منکر ہیں) وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیونکہ نہیں لائے یا ہم اپنے ربّ کو دیکھ لیں۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگ حد سے بہت دُور نکل گئے ہیں۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی [2]

اور جو شخص (دنیا میں) اپنے ربّ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور اُس نے نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا۔

قرآن کریم کے مطابق یہ عقیدہ انسانی اخلاق کے لیے بنیاد کا کام دیتا ہے اس تصوّر کے ذریعے انسانی مزاج کو در اصل پختہ کرنا مقصود ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذمہ دار محسوس کرے اس سے آدمی کا ایسا پختہ ضمیر تیار ہوتا ہے جو کسی قانون اور خارجی دباؤ کے بغیر راست فکر اور صحیح عمل پر گامزن رہتا ہے قرآن پاک میں اس تصوّر کو مختلف صورتوں میں پیش کیا گیا ہے ہم صرف ایک پہلو پر اکتفا کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ انسان کا ہر عمل محفوظ ہو رہا ہے اور ایک ایسا وقت آجائے گا جب یہ محفوظ سرمایہ اس کے سامنے ہوگا اور اس کے پرسش ہوگی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ط وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ٥ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ط كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا [3]

اور ہم نے انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار کر کے رکھا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کا نامہ اعمال اس کے واسطے نکال کر دیں گے جس کو وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا۔ اپنا

---

[1] سورۃ الفرقان : ۲۱

[2] سورۃ النازعات : ۴۰

[3] سورہ بنی اسرائیل : ۱۳، ۱۴

نامہ اعمال پڑھ لے آج تو خود اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا [1]

اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کر کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ گچھ ہو گی۔

جواب دہی کے فکر ی تطہیر ہوتی ہے۔ انسان محتاط ہوتا ہے ذمہ داری محسوس کرتا ہے اور شتر بے مہار ہونے سے بچ جاتا ہے۔ اسلامی تہذیب کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ انسانی اعمال کے لیے ایسی صحیح اور پختہ بنیاد مہیا کرتی ہے کہ انسان کے اندر ثابت قدمی کا وصف پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کبھی لغزش نہیں کھاتا۔

۶۔ تقویٰ: تقویٰ کے لفظی معنی اپنے آپ کو کسی شے کے ضرر سے بچانا ہے۔ پرہیز گاری اور بچنا اس کا عام مفہوم ہے تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ کے ہمیشہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا کرے۔ یہ دل میں خیر و شر کی تمیز کی خلش اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتا ہے دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بنا پر ہر کام میں اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن و سنت میں تقویٰ سے متعلق بے شمار نصوص ہیں۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ [2]

یہ بات بھی ہو چکی اور جو شخص اللہ کے دین کی ان یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا ان کا یہ لحاظ رکھنا اللہ تعالیٰ سے دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔

قرآن پاک کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مبارکہ تقویٰ کے متعلق بیان کیے جاتے ہیں جس سے تقویٰ کی پوری حقیقت اور واضح ہو جاتی ہے۔

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل: ۳۶

[2] سورۃ الحج: ۳۲

عن ابی هریرة قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المُسلم أخوالمُسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہ التقویٰ ھھنا ویشیر الی صدرہ ثلاث مرات لہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کا ساتھ چھوڑتا ہے اور نہ اسے حقیر جانتا ہے اور آپ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کرتے ہوئے فرمایا - کہ تقویٰ کا مقام یہاں ہے۔

دوسری حدیث یوں ہے :

الحلال بینٌ وبینھما مشتبھات لا یعلمھا کثیر من النّاس فمن اتقی المشتبھات استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبھات کراعٍ یرعیٰ حول الحمی یوشك ان یواقعہ ولا وان لکل ملكٍ حمی الا ان حمی اللہ فی ارضہ محارمہ الا وانّ فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہ فاذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب ٢ہ

حلال اور حرام ظاہر ہیں اور ان دونوں کے درمیان شبہ کی چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے پس جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچے اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچا لیا اور جو شخص شبہ کی چیزوں میں مبتلا ہو جائے (اس کی) ایسی مثال ہے جیسے کہ جانور شاہی چراگاہ کے قریب چرا رہا ہو جس کے متعلق اندیشہ ہوتا ہے کہ (ایک دن) اس کے اندر بھی داخل ہو جائے گا (لوگو) آگاہ رہو ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہے آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی چراگاہ اس کی زمین میں اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں خبردار ہو جاؤ کہ بدن میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تو تمام بدن سنور جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو تمام بدن خراب ہو جاتا ہے سنو، وہ ٹکڑا دل ہے۔

لہ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الآداب باب الشفقہ علی الخلق ص ۴۲۰

٢ہ صحیح بخاری شریف (مترجم) جلد اول، کتاب الایمان ص ۱۰۶